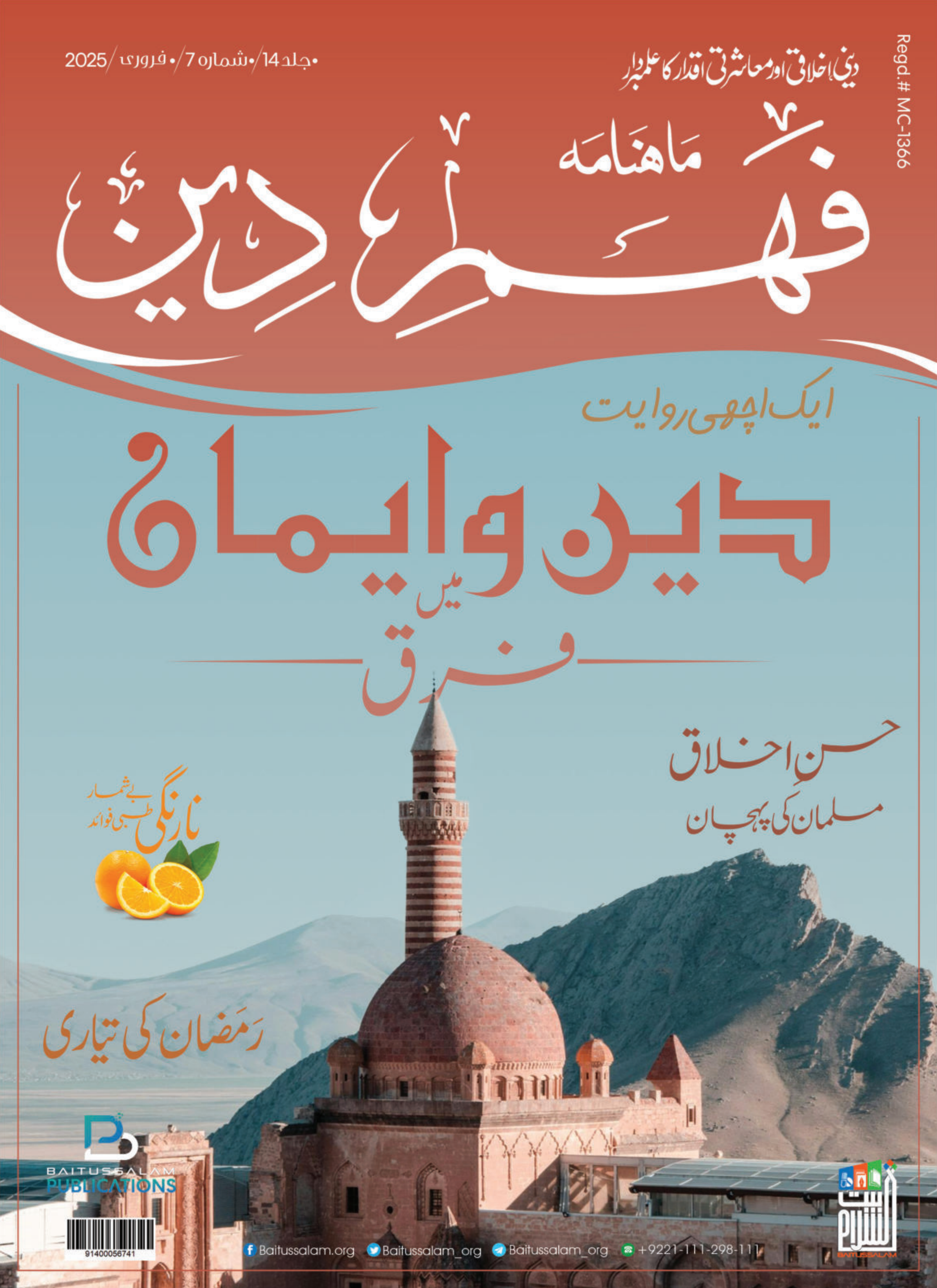
Regd.# MC-1366
دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار
•جلد 14/•شمارہ 7/•فروری 2025/
ماہنامہ
فہمِ دین
ایک اچھی روایت
دین و ایمان میں فرق
حسنِ اخلاق
مسلمان کی پہچان
نارنگی
بے شمار طبی فوائد
رمضان کی تیاری
BAITUSSALAM
PUBLICATIONS
91400056741
Baitussalam.org
Baitussalam_org
Baitussalam_org
+9221-111-298-111

بیت السلام ٹیک پارک

BAITUSSALAM
—TECH PARK—

# Free of Cost

## PSDC Professional Software Development Certification

React

Follow us
BaitussalamWelfareTrust

UAN
+92 21 111 298 111

Visit
Baitussalam.org

ماہنامہ

# فہمِ دین

کراچی

فروری 2025



**فہم وفکر**

| | | |
|---|---|---|
| رَمضان کی تیاری | مدیر کے قلم سے | 04 |

**اصلاحی سلسلہ**

| | | |
|---|---|---|
| فہمِ قرآن | شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم | 05 |
| فہمِ حدیث | مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ | 06 |
| آئینہ زندگی | حضرت مولانا عبد الستار حَفِظَہُ اللّٰہ | 08 |

**مضامین**

| | | |
|---|---|---|
| ضیوف الرحمن | عائشہ محبوب | 10 |
| اخلاقِ حسنہ | حفصہ سلطان | 11 |
| صلی اللہ علیہ وسلم | علشبہ اللہ رکھا | 12 |
| حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا | عذرا خالد | 14 |
| مسائل پوچھیے اور سیکھیے | مفتی محمد توحید | 15 |
| نارنگی | حکیم شمیم احمد | 16 |

**خواتینِ اسلام**

| | | |
|---|---|---|
| بے پردگی کے آثار | بنت حافظ یاسین | 18 |
| وقت رک سا گیا ہے | حافظہ وسطی چودھری | 18 |
| بھالو میاں اور بی مکھی | مہوش اسد شیخ | 19 |
| حسد | علشبہ عبد المجید | 20 |
| محبت کی آبیاری | فریحہ معراج | 23 |
| اچھی روایت | نفیسہ سعید | 24 |
| بھنور | راحیلہ خان | 25 |
| واپسی | تنزیلہ یوسف | 27 |
| گونجتی آوازیں | امۃ اللہ | 29 |
| بہار آنے والی ہے | انیسہ عائش | 31 |
| چڑیا جیسا دل | قانتہ رابعہ | 33t |

**باغیچہ اطفال**

| | | |
|---|---|---|
| دردِ مسلم | لائبہ عبد الستار | 34 |
| حمزہ کا خواب | سعد علی چھیپا | 34 |
| دو بجے دو خط | حفصہ فیصل | 35 |
| وہ روبوٹ | سعدیہ اجمل | 36 |
| بلاعنوان | خرم فاروق ضیا | 37 |
| آئزک نیوٹن | ڈاکٹر الماس روحی | 39 |

**بزمِ ادب**

| | | |
|---|---|---|
| تم شہ رگ ہو پاکستان کی | حافظہ سویرا چودھری | 42 |
| پرندے | خرم فاروق ضیا | 43 |
| درسِ سورہ حجرات | ارسلان اللہ خان | 43 |

**اخبار السلام**

| | | |
|---|---|---|
| اخبار السلام | ادارہ | 50 |



زیرِ سرپرستی

حضرت مولانا عبد الستار حَفِظَہُ اللّٰہ

| | |
|---|---|
| مدیر | قارِی عبدُ الرحمٰن |
| نظرِ ثانی | طارق محمود |
| تزئین و آرائش | فیضانُ الحق شمسی |



آراء و تجاویز کے لیے

+92 335 1135011

اشتہارات کے لیے

0314-2981344

marketing@fahmedeen.org

26-C گراؤنڈ فلور، بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابانِ جامی، بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی



| ناشر | مطبع | مقامِ اشاعت |
|---|---|---|
| فیصل زبیر | واسا پرنٹر | دفترِ فہمِ دین |

# رَمَضان کی تیاری

رجب کا چاند نظر آتے ہی احباب سوشل میڈیا پر ایک دعا اور اس کا مفہوم شائع و نشر کرنا شروع کر دیتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي رَجَبَ وَ شَعْبَانَ وَ بَلِّغْنَا رَمَضَانَ اے اللہ! رجب اور شعبان میں ہمیں برکت عطا فرما اور ہمیں رَمَضان تک پہنچا اور اس بات کو بھی خوب اہتمام سے شائع و نشر کیا جاتا ہے کہ رجب اور شعبان میں رَمَضان کی تیاری کرنی چاہیے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ تیاری کیا ہوتی ہے، کیسی ہوتی ہے اور اس کا اہتمام کیسے کرنا چاہیے اور اپنی زندگی کے معمولات میں اس تیاری کو ہم کتنا شامل کرتے ہیں۔ آج کی نشست میں اس پر کچھ بات کر لیتے ہیں۔

کئی گھروں میں جھاڑ پونچھ کا کام کیا جاتا ہے۔ گھروں کے پردے، بستروں کی چادریں خوب دھوئی جاتی ہیں۔ دیواروں پر لگے جالے صاف کیے جاتے ہیں، باورچی خانے کی خوب صفائی ہوتی ہے، مسالا جات کے ڈبوں کو اچھی طرح صاف کیا جاتا ہے۔ اسی طرح خواتین رَمَضان کے لیے پکوانوں کی فہرست بنانے لگتی ہیں۔ سحری اور افطاری میں کیا کچھ بننا چاہیے اس پر غور کرتی ہیں اور ترکیبیں جمع کرنے لگتی ہیں۔ رَمَضان سے کافی دن پہلے ہی رَمَضان کا سارا راشن منگوالیا جاتا ہے۔ مساجد کی دریاں، قالین اور چاندنیاں صاف کی جاتی ہیں اور ان کی دُھلائی ہوتی ہے۔ مسجد کے در و دیوار کی صفائی کے ساتھ ساتھ روشنیاں زیادہ ہونے کے لیے اضافی بلب وغیرہ لگوائے جاتے ہیں۔

یہ سب بھی بلا شبہ رَمَضان کی تیاری میں ہی شامل ہے، اسی لیے یہ ہوتا ہے اور کرنا بھی چاہیے، لیکن اصل تیاری یہ نہیں ہے۔ رَمَضان میں سونے جاگنے کھانے پینے کے اوقات تبدیل ہو جاتے ہیں۔ گئے گزرے شخص کی بھی کوشش ہوتی ہے کہ عبادات میں زیادہ وقت لگایا جائے، تلاوت زیادہ ہو، نوافل بھی زیادہ ہوں، تہجد کی نیت بھی ہوتی ہے اور خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنھیں رات کی عبادت نصیب ہوتی ہے۔ تسبیحات کا بھی اہتمام ہوتا ہے، لیکن 11 مہینے غفلت میں گزرنے کے بعد رَمَضان کے پہلے ہفتے میں جوش و جذبہ عروج پر ہونے کے باوجود نیکی و عبادات کے معمولات میں اضافے کی کوشش زیادہ کامیاب نہیں ہو پاتی! سحری میں جاگنا مشکل ہوتا ہے۔ تراویح میں شمولیت شوق اور جذبے کی بنیاد پر ہو تو جاتی ہے، لیکن طبیعت پر بار ہونے لگتا ہے اور بہت سے لوگ چند رکعتوں پر ہی اکتفا کر کے بستر پہ پہنچ جاتے ہیں۔ کئی لوگ رَمَضان میں بھی خرافات نہیں چھوڑ پاتے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس کی تیاری اور مشق نہیں ہوتی۔

ابھی رَمَضان میں ایک مہینہ ہے، تیاری کے لیے ابھی بھی وقت ہے۔ ہم کھانے پینے میں کچھ کمی کرنا شروع کر دیں، کچھ اعتدال لے آئیں، وقت بے وقت کھانا چھوڑ سکتے ہیں اور روزوں کا اہتمام ہو سکے تو سبحان اللہ! رات کے آخری پہر جاگنا شروع کر دیں، فجر سے پہلے تہجد کی نیت سے چار چھ رکعت پڑھ لیں، کچھ دیر اللہ اللہ کر لیں، فرض نماز با جماعت کا اہتمام شروع کر دیں، نوافل کا بھی کچھ معمول بنالیں، تلاوتِ قرآن کا اہتمام شروع کر دیں، ناشتا صبح جلدی کرنے کی عادت بنالیں، رات کا کھانا جلدی کھانے کی کوشش کریں، دوپہر میں کھانا ضروری سمجھتے ہوں تو مقدار میں کمی کر دیں، عشاء کی نماز کے بعد کچھ رکعتیں نوافل پڑھ لیں، ذکر و استغفار، درود شریف کی کچھ تسبیحات کا اہتمام کر لیں اور دعاؤں میں اضافہ کریں۔ یہ سب کرنے سے معلوم ہوگا کہ رَمَضان کی تیاری کا مفہوم اور مطلب کیا ہے اور اس میں کتنا مزہ آتا ہے۔ رَمَضان شروع ہونے پر کسی بھی قسم کی دقّت نہیں ہوگی اور سارے نیک معمولات میں اضافہ خود بخود ہوتا چلا جائے گا۔

باقی کھانے پینے کا سامان لانا، افطاری کے پکوانوں کی فہرست بنانا اور اس کی تراکیب تلاش و جمع کرنا نہ تو ایسا بُرا ہے کہ اسے چھوڑنے کی تلقین کی جائے اور نہ ہی ایسا ضروری ہے کہ اس میں وقت اور دماغ خرچ کیا ہی جائے۔ اعتدال کے ساتھ حلال کھانوں کا اہتمام کرنے میں حرج نہیں، لیکن سارا زور کھانے پینے پر ہی ہو اور اِسی کو رَمَضان کی تیاری سمجھ لیا جائے، یہ رجحان بہر حال تبدیل ہونا چاہیے۔ صفائی ستھرائی اچھی بات ہے اور رَمَضان سے پہلے استقبالِ رمضان کے لیے اسے کر لینا چاہیے، لیکن ظاہری صفائی ستھرائی سے زیادہ روح کی صفائی اور رگڑائی کی طرف توجہ ہونی چاہیے۔ دل پہ لگا زنگ اتارنے کے لیے استغفار کی کثرت ہو، نورانیت حاصل کرنے کے لیے درود شریف کی کثرت ہو، گناہوں سے بچنے کا اہتمام ہو، سوشل میڈیا پہ لگے رہنے سے اجتناب ہو، نظروں کی حفاظت کا بتکلّف خیال ہو۔ اگر کسی کو فضول گوئی یا گالم گلوچ کی عادت ہے تو اس کو چھوڑنے کی کوشش کی جائے۔

## صدقہ و خیرات کا اہتمام

رَمَضان کی تیاری میں یہ بھی شامل ہے کہ اپنے مال کا کچھ حصہ نکال کر ایسے لوگوں کو دینے کا اہتمام ہو جو رَمَضان میں اچھا کھانے پینے کی طاقت نہیں رکھتے، بعض لوگ شعبان میں عید کی تیاری بھی کر لیتے ہیں کہ رَمَضان میں بازار نہ جانا پڑے اور غفلت سے بچے رہیں، یہ بھی بہت اچھا کام ہے، اسے بھی رَمَضان کی تیاری کہہ سکتے ہیں۔ اگر مالی گنجائش ہو تو یہ کام پہلے کر لینا چاہیے، لیکن اپنے ساتھ ساتھ اُن ضرورت مندوں کا خیال اور لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے، جو وسعت نہیں رکھتے۔ خاص طور پر اپنے عزیزوں رشتے داروں اور پڑوسیوں میں ایسے گھرانے اور افراد دیکھنے چاہییں، جنھیں مالی وسعت نہیں، پھر اسی طرح درجہ بدرجہ اپنی گنجائش اور وسعت دیکھتے ہوئے بتدریج صدقات و خیرات کا دائرہ وسیع کرتے چلے جانا چاہیے۔ صحیح معنی میں رَمَضان کی تیاری کا اہتمام کرنے کی توفیق ہو، دکھاوے اور ریاکاری سے ہماری حفاظت فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو۔ آمین!

منگل ۱۶ رجب ۱۴۴۶ھ / ۱۷ جنوری ۲۰۲۵

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

# فہمِ قرآن

الانعام 42-50

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰٓ أُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَأَخَذْنٰهُمْ بِالْبَأْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ 42

ترجمہ: (اے پیغمبر!) تم سے پہلے ہم نے بہت سی قوموں کے پاس پیغمبر بھیجے، پھر ہم نے (ان کی نافرمانی کی بنا پر) انھیں سختیوں اور تکلیفوں میں گرفتار کیا، تاکہ وہ عجز و نیاز کا شیوہ اپنائیں۔ 42

فَلَوْلَآ إِذْ جَآءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ 43

ترجمہ: پھر ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب ان کے پاس ہماری طرف سے سختی آئی تھی، اس وقت وہ عاجزی کا رویّہ اختیار کرتے؟ بلکہ ان کے دل تو اور سخت ہو گئے اور جو کچھ وہ کر رہے تھے، شیطان نے انھیں یہ سمجھایا کہ وہی بڑے شاندار کام ہیں۔ 43

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى إِذَا فَرِحُوْا بِمَآ أُوْتُوْٓا أَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ 44

ترجمہ: پھر انھیں جو نصیحت کی گئی تھی، جب وہ اسے بھلا بیٹھے تو ہم نے ان پر ہر نعمت کے دروازے کھول دیے، یہاں تک کہ جو نعمتیں انھیں دی گئی تھیں، جب وہ اُن پر اترانے لگے تو ہم نے اچانک ان کو آ پکڑا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بالکل مایوس ہو کر رہ گئے۔ 44

تشریح نمبر 1: اللہ تعالیٰ نے پچھلی اُمتوں کے ساتھ یہ معاملہ فرمایا ہے کہ انھیں متنبّہ کرنے کے لیے انھیں کچھ سختیوں میں بھی مبتلا فرمایا، تاکہ وہ لوگ جن کے دل سختی کی حالت میں نرم پڑتے ہیں، سوچنے سمجھنے کی طرف مائل ہو سکیں، پھر ان کو خوب خوش حالی عطا فرمائی، تاکہ جو لوگ خوش حالی میں حق قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں، وہ کچھ سبق لے سکیں۔ جب دونوں حالتوں میں لوگ گمراہی پر قائم رہے، تب ان پر عذاب نازل کیا گیا۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ 45

ترجمہ: اس طرح جن لوگوں نے ظلم کیا تھا، ان کی جڑ کاٹ کر رکھ دی گئی اور تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ 45

قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَأَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ إِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَأْتِيْكُمْ بِهٖ أُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ 46

ترجمہ: (اے پیغمبر! ان سے) کہو: ”ذرا مجھے بتاؤ کہ اگر اللہ تمہاری سننے کی طاقت اور تمہاری آنکھیں تم سے چھین لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو یہ چیزیں تمہیں لا کر دے دے؟“ دیکھو! ہم کیسے کیسے مختلف طریقوں سے دلائل بیان کرتے ہیں، پھر بھی یہ لوگ منہ پھیر لیتے ہیں۔ 46

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ إِنْ أَتٰكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً أَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ 47

ترجمہ: کہو: ”ذرا یہ بتاؤ کہ اگر اللہ کا عذاب تمہارے پاس اچانک آئے یا اعلان کر کے، دونوں صورتوں میں کیا ظالموں کے سوا کسی اور کو ہلاک کیا جائے گا؟“ 47

تشریح نمبر 2: کفارِ مکہ آنحضرت ﷺ سے یہ بھی کہتے تھے کہ اللہ کے جس عذاب سے آپ ہمیں ڈراتے ہیں تو وہ عذاب ابھی کیوں نہیں آ جاتا؟ شاید وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر عذاب آیا تو مؤمن کافر سبھی ہلاک ہو جائیں گے۔ اس کے جواب میں فرمایا جا رہا ہے کہ ہلاک تو وہ ہوں گے، جنھوں نے شرک اور ظلم کا ارتکاب کیا ہے۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ إِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ 48

ترجمہ: ہم پیغمبروں کو اسی لیے تو بھیجتے ہیں کہ وہ (نیکیوں پر) خوش خبری سنائیں اور (نافرمانی پر اللہ کے عذاب سے) ڈرائیں، چناں چہ جو لوگ ایمان لے آئے اور اپنی اصلاح کر لی، ان کو نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ 48

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ 48

ترجمہ: اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، ان کو عذاب پہنچ کر رہے گا، کیوں کہ وہ نافرمانی کے عادی تھے۔ 49

قُلْ لَّآ أَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ أَقُوْلُ لَكُمْ إِنِّيْ مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوْحٰٓى إِلَيَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ 50

ترجمہ: (اے پیغمبر!) ان سے کہو: ”میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کا (پورا) علم رکھتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اُس وحی کی اتّباع کرتا ہوں، جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔“ کہو کہ ”کیا ایک اندھا اور دوسرا بینائی رکھنے والا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ پھر کیا تم غور نہیں کرتے؟“ 50

تشریح نمبر 3: یہ ان مطالبات کا جواب ہے جو کفار آنحضرت ﷺ سے کیا کرتے تھے کہ اگر تم پیغمبر ہو تو دولت کے خزانے تمہارے پاس ہونے چاہییں، لہٰذا فلاں فلاں معجزات دِکھاؤ۔ جواب میں فرمایا گیا ہے کہ پیغمبر ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خدائی کے اختیارات مجھے حاصل ہو گئے ہیں یا مجھے مکمل علم غیب حاصل ہے یا میں فرشتہ ہوں۔ پیغمبر ہونے کا مطلب صرف یہ ہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے اور میں اس کا اتّباع کرتا ہوں۔

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

# فہم حدیث

## جماعت میں صف بندی

نماز کے لیے جو اجتماعی نظام "جماعت" کی شکل میں تجویز کیا گیا ہے، اس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے یہ طریقہ تعلیم فرمایا ہے کہ لوگ صفیں بنا کر برابر برابر کھڑے ہوں۔ ظاہر ہے کہ نماز جیسی اجتماعی عبادت کے لیے اس سے زیادہ حسین و سنجیدہ اور اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی، پھر اس کی تکمیل کے لیے آپ ﷺ نے تاکید فرمائی کہ صفیں بالکل سیدھی ہوں، کوئی شخص ایک انچ نہ آگے ہو اور نہ پیچھے! پہلے اگلی صف پوری کر لی جائے، اس کے بعد پیچھے کی صف شروع کی جائے۔ بڑے اور ذمہ دار اور اصحابِ علم و فہم اگلی صفوں میں اور امام سے قریب جگہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ چھوٹے بچے پیچھے کھڑے ہوں اور اگر خواتین جماعت میں شریک ہوں تو ان کی صف سب سے پیچھے ہو۔ امام سب سے آگے اور صفوں کے درمیان میں کھڑا ہو، ظاہر ہے کہ ان سب باتوں کا مقصد جماعت کی تکمیل اور اس کو زیادہ مفید اور مؤثر بنانا ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود بھی ان باتوں کا عملاً اہتمام فرماتے اور وقتاً فوقتاً امت کو بھی ان کی ہدایت و تلقین فرماتے اور ان کا ثواب بیان فرما کر ترغیب دیتے، نیز ان امور میں بے پروائی کرنے والوں کو سخت تنبیہ فرماتے اور اللہ کے عذاب سے ڈراتے تھے۔

### صفوں کو سیدھا اور برابر کرنے کی اہمیت اور تاکید

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ سَوُّوْا صُفُوْفَکُم فَاِنَّ تَسْوِیَۃَ الصُّفُوْفِ مِنْ اِقَامَۃِ الصَّلٰوۃِ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

**ترجمہ:** حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لوگو! نماز میں صفوں کو برابر کیا کرو، کیوں کہ صفوں کو سیدھا اور برابر کرنا نماز اچھی طرح ادا کرنے کا جزو ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ "اقامت الصلوٰۃ" جس کا قرآنِ مجید میں جا بجا حکم دیا گیا ہے اور جو مسلمانوں کا سب سے اہم فریضہ ہے، اس کی کامل ادائیگی کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ جماعت کی صفیں بالکل سیدھی اور برابر ہوں۔

### پہلے اگلی صفیں مکمل کی جائیں

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلْاَتِمُّوْا الصَّفَّ الْمُقَدَّمَ ثُمَّ الَّذِیْ یَلِیْہِ فَمَا کَانَ مِنْ نَقْصٍ فَلْیَکُنْ فِي الصَّفِّ الْمُؤَخَّرِ (رواہ ابوداود)

**ترجمہ:** حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو پہلے اگلی صف پوری کیا کرو، پھر اس کے قریب والی، تاکہ جو کمی کسر رہے وہ آخری ہی صف میں رہے۔ (سنن ابی داؤد)

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ جماعت سے نماز پڑھی جائے تو لوگوں کو چاہیے کہ آگے والی صف پوری کر لینے کے بعد پیچھے والی صف میں کھڑے ہوں اور جب تک کسی اگلی صف میں جگہ باقی رہے، پیچھے نہ کھڑے ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگلی صفیں سب مکمل ہوں گی اور جو کمی کسر رہے گی، وہ سب سے آخری ہی صف میں رہے گی!

### پندرھویں شعبان کا روزہ

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : اِذَا کَانَتْ لَیْلَۃُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوْا لَیْلَھَا وَصُوْمُوْا نَھَارَھَا فَاِنَّ اللّٰہَ یَنْزِلُ فِیْھَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ اِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا فَیَقُوْلُ اَلَا مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرَ لَہٗ اَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَاَرْزُقَہٗ اَلَا مُبْتَلًی فَاُعَافِیَہٗ اَلَا کَذَا اَلَا کَذَا حَتّٰی یَطْلُعَ الْفَجْرِ (رواہ ابن ماجۃ)

**ترجمہ:** حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب شعبان کی پندرھویں رات آئے تو اُس رات میں اللہ کے حضور میں نوافل پڑھو اور اس دن کو روزہ رکھو، کیوں کہ اس رات میں آفتاب غروب ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت پہلے آسمان پر اتر آتی ہے اور وہ ارشاد فرماتا ہے کہ "کوئی بندہ ہے جو مجھ سے مغفرت اور بخشش طلب کرے اور میں اُس کی مغفرت کا فیصلہ کروں، کوئی بندہ ہے جو روزی مانگے اور میں اس کو روزی دینے کا فیصلہ کروں، کوئی مبتلائے مصیبت بندہ ہے جو مجھ سے صحت و عافیت کا سوال کرے اور میں اُس کو عافیت عطا کروں، اسی طرح مختلف قسم کے حاجت مندوں کو اللہ پکارتا ہے کہ وہ اِس وقت مجھ سے اپنی حاجتیں مانگیں اور میں عطا کروں۔ غروب سے لے کر صبح صادق تک اللہ تعالیٰ کی رحمت اسی طرح اپنے بندوں کو اِس رات میں پکارتی رہتی ہے۔" (سننِ ابنِ ماجہ)

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِيْ رَجَبَ وَ شَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ (رواہ المعجم الصغیر للطبرانی)

**ترجمہ:** اے اللہ! ہمارے لیے رجب اور شعبان کے مہینوں میں برکت عطا فرما اور ہمیں رمضان کا مہینہ نصیب فرما۔ (المعجم الصغیر لطبرانی)

Shangrila®
THE FOOD EXPERTS!
THE EXPERTS' SECRET
IS NO LONGER A SECRET
CHILLI SAUCE
WORCESTERSHIRE SAUCE
CHILLI SAUCE
SOY SAUCE
SYNTHETIC VINEGAR
PAKISTAN'S NO.1*
LIQUID SEASONINGS
www.shangrila.com.pk
*Foresight Household Panel 2024

# دین و ایمان میں فرق

حضرت مولانا عبدالستار حَفِظَہُ اللّٰہ

دین اور ایمان میں فرق ہے۔ دین اللہ کی طرف سے وہ ضابطہ زندگی ہے جو ہر پیغمبر لے کر آتے ہیں۔ وہ سچائیاں، وہ حقائق، وہ دستور جو اللہ کے رسول ﷺ نے بتائے اللہ کے کلام میں ہیں، اس کا نام دین ہے۔ وہ ایک ضابطہ زندگی ہے، وہ حقائق ہیں، سچائیاں ہیں۔ یہ نظامِ زندگی جو اللہ نے بتائی، اللہ کے رسول ﷺ نے بتائی اللہ کے کلام میں ہیں۔ یہ دین مکمل ہے: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ اس میں زیادتی، اس میں ترمیم، اس میں اضافہ، اس میں کمی، اس کی گنجائش نہیں۔ اگر کوئی ایسا شخص جو اس میں اضافہ کرنا چاہتا ہے، ترمیم کرنا چاہتا ہے، کذاب ہے! دجال ہے! بے دین ہے! یہ نظام زندگی جو اللہ نے بتائی اللہ کے رسول نے بتائی قرآن نے بتائی یہ ضابطہ زندگی مکمل ہے، اس میں ترمیم کی گنجائش کوئی نہیں۔ اضافے کی کوئی شکل نہیں۔۔۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ دین مکمل ہے۔ ایک دوسری چیز ہے ان سچائیوں پر اعتماد، ان حقائق پر ایمان، اس دستورِ زندگی پہ یقین، اس ایمان کی ہمیشہ قیامت تک اضافے کی گنجائش رہے گی۔ اس میں زیادتی، اس میں اضافہ، اس میں تازگی، اس کی دعوت بھی رہے گی اس کی ضرورت بھی رہے گی۔

ان سچائیوں پر یقین کتنا ہے؟ پیارے رسول ﷺ کی اس دنیا میں تشریف آوری وہاں بھی کچھ دین کے نقشے موجود تھے۔ نماز تھی خشوع نہیں تھا۔ حج تھا بے روح تھا۔ طواف بھی موجود تھا، حجاج کے لیے سبیلیں بھی لگا کرتی تھیں، لیکن وہ ساری چیزیں بے جان تھیں۔

تو ایمان ہے کہ زہر سے آدمی مر جاتا ہے۔ اس پہ تو تجربہ ہے، مشاہدہ ہے، ایمان ہے، ڈاکٹر کی بات پہ تو اعتماد ہے، لیکن اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات پر اعتماد اتنا بھی نہیں ۔۔۔! زندگی کے چالیس پچاس سال گزر گئے۔ صبح کا سورج نکلتے زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے، مشاہدہ ہے، تجربہ ہے۔ سود سے کاروبار تباہ ہوتا ہے، مسلمان کہلانے والا اس سچائی پہ کتنا ایمان رکھتا ہے؟ ایک دکان سے دو دکانیں بن جائیں، مال بڑھتا ہے، مشاہدہ ہے، تجربہ ہے وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ صدقہ سے مال بڑھتا ہے۔

آج مسلمان کہلانے والے کو کتنا یقین ہے؟ شٹر بند کر دیا، تالا لگا دیا، باہر گارڈ کھڑا کر دیا، اندر کا مال محفوظ ہو گیا، تجربہ ہے، مشاہدہ ہے۔ مسلمان فریضہ زکوۃ صحیح معنٰی میں ادا کرتا ہے، اس کا مال محفوظ ہو جاتا ہے۔ مسلمان کو اپنے نبی کی سچائی پہ کتنا یقین ہے؟ دین تو مکمل ہے، لیکن دین کے ان حقائق اور سچائیوں پر میرا ایمان یقین کس درجے کا ہے؟ یہ دین کی شکلیں۔۔۔ میں عرض کر رہا ہوں، حضور ﷺ کی تشریف آوری پہ بھی اس کی شکلیں موجود تھیں، لیکن بے جان! جیسے ہمارا آج حال ہے، دین مکمل ہے۔

اللہ کے نبی ﷺ فرمانے لگے: ”جب تمہارے ہاں فحاشی اور عریانی ہو گی تو ایسی بیماریاں جنم لیں گی، تمہارے آباواجداد نے ان کا نام بھی نہیں سنا ہو گا۔ مسلمان کہلانے والا اس کو کتنا مانتا ہے، اس مشاہدے اور تجربے پر ایمان ہے کہ جہاں کچرا ہو گا وہاں جراثیم ہوں گے، وہاں بیماریاں آئیں گی، یہ مشاہدہ ہے، تجربہ ہے، اس پہ ایمان ہے، لیکن جہاں پہ فحاشی ہو گی، بے حیائی ہو گی، وہاں بھی جراثیم ہوتے ہیں، اس پہ آج مسلمان کا اعتماد کتنا ہے۔۔۔؟ اللہ کے نبی ﷺ فرمانے لگے کہ ”جب تم آسمانی فیصلوں کے خلاف فیصلے کرو گے، تمہارے اندر قتل و غارت ہو گی۔“ مسلمان کہلانے والے کو اپنے نبی کی بات پہ اعتماد کتنا؟ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: ”جب تم زکوۃ دینا روک دو گے، اللہ کی رحمتیں، رحمت کی بارش رک جائے گی۔“ اس پر مسلمان کو ایمان کتنا ہے؟ اللہ کے نبی ﷺ فرمانے لگے: ”جب تم تجارتوں میں، ناپ تول میں کمی کرو گے، جھوٹ بولو گے، خیانت کرو گے، دوسروں کی حق تلفی کرو گے تو تمہارے ہاں معاشی تنگی آئے گی۔ معاشی تنگی تو آج کا مسلمان سمجھتا ہے، ظاہری اسباب کی حد تک جو اس کے تجربے میں آئے، جو اس کے مشاہدے میں آئے، ان سچائیوں پر آج مسلمانوں کو کتنا یقین ہے۔

دین مکمل، لیکن دین کے حقائق اور

سچائیوں پر یقین کتنا ہے؟ دین کی ایک سچائی وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ اگر اللہ کا یہ قانون تمہارے ہاں نافذ ہو جائے قصاص کا! تمہاری زندگیاں محفوظ ہو جائیں گی۔ اگر اللہ کا یہ قانون زمین پر نافذ ہو جائے! تمہاری زندگیاں محفوظ ہو جائیں گی۔ یہ وہ سچائی ہے جو اللہ نے بتائی ہے۔ اللہ کے قرآن نے بتائی ہے۔ اللہ کے رسول لے کر آئے ہیں، یہ دین تو ہے، لیکن اس دین پہ آج کے مسلمان کا ایمان کدھر؟ یقین کہاں؟ یہ کوئی ایمان کا چراغ بجھ تو نہیں گیا۔۔۔؟ کتنے مسلمانوں کی اولادیں ہیں، جن کی پیدائش مسلمانوں کے گھروں میں ہوئی، مسلمان ماں کی چھاتی سے دودھ پیا، لیکن ان کے ہاں ایمان کا چراغ، یقین ایسا بجھا کہ آج وہ اسلام کے خلاف نظر آتے ہیں۔ وہ شراب پینا چاہتے ہیں، وہ ہم جنس پرستی کرنا چاہتے ہیں، وہ سود کو حلال قرار دینا چاہتے ہیں، بے حیائی اور فحاشی کے علم بردار ہیں، مسلمانوں کے ہاں پیدا ہوئے ہیں! ایمان کا چراغ نہیں۔ دین مکمل ہے، اس میں اضافے کی گنجائش نہیں، ترمیم کی گنجائش نہیں، زیادتی کی گنجائش نہیں، لیکن ان سچائیوں پہ یقین کتنا۔۔۔؟

رسول اللہ ﷺ جب تشریف لائے اور اس ایمان کے اندر حقیقت پیدا کی اور ان کی صحبت میں بیٹھنے والوں میں ایمان اور یقین کی روح پیدا ہوئی تو ان کے ہاں اگلی زندگی کے ان کی زندگی پر اس کے کیا اثرات تھے۔۔۔؟

ایک صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ دنیا سے تشریف لے کر جانے لگے، اہلیہ ساتھ بیٹھی تھیں، آخری وقت تھا اور زبان پر یہ الفاظ تھے: "واہ واہ! کیا مزہ ہے، کل تو اپنے دوستوں سے ملاقات ہو جائے گی۔" اس کل کی زندگی کا ایسا یقین، ایسا اعتماد۔۔۔ اب تو اس زندگی کا میری زندگی میں گزر ہی نہیں ہے کہ وہ بھی کوئی زندگی ہے۔ آج کا مشاہدہ اس کا تجربہ اس کی آنکھوں سے نظر آنے والی چیز یہ میری زندگی پر طاری ہے۔ یہ میری پوری 24 گھنٹے کی زندگی میں یہ دنیا نظر آتی ہے، لیکن ان حقائق پر کہ کل کی زندگی آج کی زندگی سے بہت بڑھیا اور پائیدار ہے، جہنم کی ہولناکی بھی ہے اور جنت کی غیر معمولی راحت بھی ہے ان کا میری زندگی پر کتنا اثر ہے۔۔۔؟

اچانک اعلان ہو جائے کہ باہر ایک شیر موجود ہے، کسی وقت بھی اس مجلس میں حملہ آور ہو سکتا ہے تو مجلس کا سکون ختم ہو جائے گا۔ اپنی زندگی کی حفاظت کے اندر کی قوتیں زندگی کی محافظ بن جائیں، کیسے اپنے آپ کو بچایا جائے۔۔۔؟ اللہ کے نبی ﷺ نے بتایا کہ اگر تم اللہ کے اس دین کو جو کامل اور مکمل ہے، نظر انداز کردو گے تو دنیا میں فلاح نہیں پا سکتے۔ تمہاری ہلاکت یقینی ہے۔ اس کا میری زندگی پر کیا اثر ہے کہ نبی کی اس بات کا میں کتنا اثر لیتا ہوں، باہر سے آنے والا بتائے میری زندگی کے خطرات سے مجھے آگاہ کرے تو میں بے چین ہو جاؤں اور اپنی زندگی کی حفاظت کی فکر لگ جائے گی، لیکن اللہ کے نبی بتا رہے ہیں کہ اگر تیرے بچے میں، تیری بچی میں، تیرے گھر میں، تیری زندگی میں یہ کامل اور مکمل دین کی زندگی نہیں ہے تو تمہاری فلاح نہیں ہے۔ دنیا بھی خطرے میں ہے، کل بھی خطرے میں ہے۔ یہ اپنے بچوں کی حالت دیکھ کر کیا میری بے چینی ایسی ہوتی ہے۔۔۔؟ سچائی تو پوری ہے، یہ تو مکمل ہے، حقائق بتا دیے گئے کہ ایمان کتنا ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا اے ایمان والو! ایمان لے آؤ۔ کافروں سے نہیں، منافقین سے نہیں، یہود و نصاریٰ سے نہیں، مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہونے والی اولاد سے کہا: ایمان والو ایمان لے آؤ! اس میں تازگی لاؤ، اسے ترقی دو، اس کو ترو تازہ رکھو، اس کا نور بڑھاؤ۔

جیسے پلاسٹک کے سیب میں اور حقیقی سیب میں بڑا فرق ہوتا ہے، دور میز پہ رکھیں تو دونوں ایک جیسے لگتے ہیں، لیکن جب دونوں کو ہاتھوں میں لیں تو محسوس ہو گا جو نقلی ہے، اس میں کشش نہیں ہے، توانائی نہیں ہے، خوش بو نہیں ہے اور جو حقیقی سیب ہے، اس میں خوش بو ہے، رنگت ہے، کشش ہے، توانائی ہے۔ پیدائشی مسلمان، رواجی مسلمان، نام کا مسلمان، مردم شماری کا مسلمان، پیدائش میں چند رسم و رواج مسلمانوں کے سے، نام مسلمانوں کا سا اور حقیقی مسلمان میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

ایک صحابی کہنے لگے: "یارسول اللہ (ﷺ)! مجھے کیسے پتا چلے گا میری ایمانی حالت کیا ہے اور میں کس حالت میں کھڑا ہوں؟" کہیں ایسا نہ ہو کہ زندگی دھوکے میں گزر جائے اور جب موت ہو پتا لگے اللہ کے نبی ﷺ کے پیارے صحابی نے اس امت پر احسان کیا، سوال کر دیا۔ امت کے بڑے کام آگیا۔ اللہ کے نبی کے ہاتھ سے ایک پیمانہ ایک ترازو ہاتھ آگیا کہ آدمی اپنا ایمان اس ترازو سے تول سکتا ہے، آدمی اپنے ایمان کو اس پیمانے پہ رکھ سکتا ہے۔ پیارے رسول ﷺ نے فرمایا: إِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَتْكَ سَيِّئَتُكَ فَأَنْتَ مُؤْمِنٌ جب تو نیکی کرے، تیرے دل میں فرحت آجائے، سرور آجائے إِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ سرور آجائے، ہاں بھائی! آج اچھا نفع ہوا، آج خوب کاروبار آیا، کیسا سرور آتا ہے، کیسے اندر خوشی ہوتی ہے۔ اس لیے ہم کہا کرتے ہیں نیک آدمی جس کو دنیا کی ظاہری تکلیفیں اس کے اندر کے سرور کو ختم نہیں کر سکتیں، دنیا کی ظاہری بیماریاں تکالیف اس کے اندر کا اطمینان ختم نہیں کر سکتیں، اس لیے کہ اس کو سرور اور اطمینان تو نیکیوں سے حاصل ہے اور وہ کون چھین سکتا ہے؟ وہ نیکی صبر بھی ہے، شکر بھی ہے، نیک آدمی کا سرور کون لے سکتا ہے؟ امام تیمیہ رحمہ اللہ اُن کے حاکم ظالم تھے، حکم ران نے انھیں جیل میں ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔ جیل جا رہے ہیں، چہرے پہ اطمینان و سکون! پوچھنے والوں نے کہا: "کوئی پریشانی نہیں؟" فرمایا: "میری جنّت میرے دل میں ہے، اسے مجھ سے کون چھین سکتا ہے۔ اب تو تنہائی میں خلوتوں میں جنّت کے اکیلے ہی مزے لوٹیں گے۔۔۔" نیکیوں کا سرور کون لے سکتا ہے۔ تجھ سے بشری تقاضے کی وجہ سے، انسانیت کی وجہ سے بھول ہو گئی، غلطی ہو گئی، گناہ سرزد ہو گیا۔ چین نہ آئے پریشان ہو جائے۔

بچہ آپ کا زہر کھالے تو بتایئے آپ پلنگ پر لیٹے رہتے ہیں! بتایئے آپ دستر خوان پر کھانا کھا رہے ہوں، آپ کی بچی کے منہ میں زہر چلا جائے تو بتائیں سکون سے رہتے ہیں، آرام سے رہتے ہیں، نہیں نہیں۔۔۔ جب تک اس کے اندر سے زہر کے اثرات ختم نہ ہوں، اس وقت تک آپ کو چین نہیں آتا۔ ڈاکٹر اس پر اطمینان کا اظہار نہ کرلیں، آپ کو چین نہیں آتا۔ اگر میرے بچے اور بچیوں میں، میرے گھر میں، میری زندگی میں گناہ کا زہر آگیا، کسی نے غلطی سے نگل لیا، چین نہ آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فَأَنْتَ مُؤْمِنٌ یہی ایمان کی حقیقت ہے، یہی صحت مند ایمان کی علامت ہے۔ فَأَنْتَ مُؤْمِنٌ تو ایمان والا ہے۔ اللہ ہمیں بھی یہ ایمان نصیب فرمائے۔ اللہ تعالیٰ یہ ایمان کی تازگی ہمیں بھی نصیب فرمائے۔

میرے عزیزو! یوں ہی نہیں آیا کرتا، کسی چیز کی بھی ترقی اور اضافے کے لیے، کسی چیز کی بھی تازگی کے لیے کچھ تو وقت نکالنا پڑتا ہے۔ کچھ تو ماحول دینا پڑتا ہے نا، فکر کرنی پڑتی ہے نا، کسی بھی چیز کی تازگی، صحت کے لیے اہتمام چاہیے۔۔۔

تو مجھے اپنے ایمان کی تازگی کے لیے کتنا اہتمام ہے، اپنے بچے اور بچیوں کی ایمان کی تازگی کی کتنی فکر ہے، یہ میں جائزہ لے سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کی حقیقت نصیب فرمائے اور اس مبارک زندگی کے ساتھ خاتمہ عطا فرمائے۔ آمین!!

عائشہ محبوب

# ضیوفُ الرّحمٰن

آخری قسط

آج بھی الحمد للہ ! رمی تینوں جمرات کی بآسانی ہوگئی، مگر دعا چلتے چلتے کرنا پڑی کہ اہلکاروں کی طرف سے رُکنے کی اجازت نہیں تھی، پھر ہوٹل آگئے۔ رات ہمارے گروپ کے منتظم سہیل بھائی کے ساتھ ہمارے گروپ کے کچھ مرد و خواتین منٰی روانہ ہوئے۔ دو گھنٹے منٰی قیام کیا، دعا واذکار کر کے پھر ہوٹل آگئے۔ منیٰ میں قیام سنتِ مؤکدہ ہے، منیٰ کی حدود میں رات میں ذرا دیر بھی ٹھہر گئے تو سنت ادا ہوگئی) پھر اگلے دن منتظم سہیل بھائی کے ساتھ رمی جمرات کی ادائیگی مکمل کی۔ تیرہ کی چوں کہ اختیاری ہوتی ہے، اس میں کہا گیا جن کو جانا ہے، وہ از خود جائیں۔۔۔ فَلِلّٰہِ الحَمد

خیر ! عزیزیہ سے 26 جون ہماری مکہ مکرمہ کے محلّہ مسفلہ میں حرم کے عین سامنے ہوٹل وقف للحرمین شریفین میں موواین پک ہوٹل روانگی ہوئی۔ اب ہوٹل کے گیٹ سے بالکل سامنے باب عمرہ اور دنیا کے بت کدے میں سب سے پہلے حقیقی معبود کے گھر دِکھتی جھلک، ہم جیسے دیوانوں کو انتہائی شدید گرمی، تیز ترین دھوپ، رش سب بھلا دیتی۔ اب یہاں بے قراری تھی تو زیادہ سے زیادہ دیوانہ وار طواف کیا، ایامِ حج جب تک جاری رہے۔ خواتین مطاف میں بھی بہت اللہ سے دور ہی رہیں۔ جب حج کے دنوں کے بعد مرد حضرات کے لیے احرام کے لباس کی شرط رکھی گئی تو صحیح معنوں میں جہاں عجیب عجیب مناظر دیکھنے کو ملے تو ہم جیسے بھی مقام ابراہیمی اور بیت اللہ کے ساتھ ملتزم تک پہنچ ہی گئے۔

الحمد للہ ! حطیم چوں کہ بند ہی تھا، سورش سے بچنے، میزابِ رحمت کو دیکھنے، دعا مانگنے اور ہٹنے میں عافیت رہتی، مگر یہاں تو حقیقتاً سولہ سال پہلے اور اب میں ایسا فرق آیا تھا کہ سولہ صدیاں بیشتر زمانہَ جاہلیت والا دور محسوس ہوا، وہ حدیث جو علاماتِ قیامت میں سے ہے، بے ساختہ یاد آ جاتی ہے۔ مفہوم: جب کعبہ کی تعظیم بھلا دی جائے گی، پھر قیامت قریب ہے۔ ہمیں ایک ملائشین خاتون ملیں جو اوپری منزل پر اپنی تصویر کھینچنے پر اصرار کر رہی تھیں سامنے بیت اللہ کے، مگر لوگ انھیں گھورتے، ڈرتے، بیت اللہ کو پیار سے دیکھتے ان سے کنی کترا جاتے اور اب سیلفیوں، موبائلوں کا طوفان۔۔۔ چپلوں کے ساتھ طواف، دھکم پیل، مردوں کا ایک دوسرے کو حجرِ اسود کے بوسہ کے لیے مارنا، دھکم پیل عام ہے۔ حتیٰ کہ حطیم میں اپنی خواتین کے دوپٹے، چپلیں اور ایسی چیزیں پھینکی نظر آئیں جو بیان سے باہر۔۔۔ لکھتے ہوئے بھی دل کانپ رہا ہے۔ بچوں بچیوں کو کندھوں پر سوار کر کے زور زور سے کلمہ پڑھانا، پھر ویڈیوز بنانا، ان موبائلز، ٹی وی، تصاویر سازی نے کعبے کی تعظیم ہم سے چھین لی، دیوانہ تو اپنے محبوب کے آگے سب بھول جاتا ہے۔۔۔ !

دوسرا رواج اپنے وطن میں موجود عزیزوں کا نام یا تصاویر بیت اللہ کے سامنے بلند کر کے تصاویر بنانا، واللہ ! یہ اتنا پیارا گھر اس کی رونق، عظمت، جلال ہم مسلمانوں نے گنوا دیا ہے۔ یہ جوتے، ٹافیاں، کھانے پینے کی چیزوں کے کچرے، یہ موبائل تصاویر کی لعنت ۔۔۔ خدارا ! ہمیں اب رک جانا چاہیے۔ کہیں اللہ ہم سے ناراض نہ ہو جائے بلکہ شاید ہو چکا ہو۔ دیوانے پروانے تو باادب بس چکر کاٹتے فنا ہو جاتے ہیں۔ وہاں شہرت، کسی دوسرے کو اذیت دینا، محبوب کی تعظیم نہ کرنا جیسے اعمال کہاں ہوئے؟ ہم اپنی نیت کر کے جائیں کہ ہم موبائل کی لعنت، بے ادبی، جوتوں کے استعمال، کھانے پینے کی چیزوں کا کچرا کرنے سے باز رہیں گے۔ مرد حضرات کے لیے ملابس احرام لازم قرار دیا گیا تھا، جس کا واضح مقصد نظر آیا۔ خواتین بیت اللہ، حطیم اور مقام ابراہیمی کے قریب ہوئیں۔ حجرِ اسود تک تو پھر بھی پہنچنا خواتین کے بس میں نہ رہا۔ وہاں موجود انتظامیہ نہ کوئی ترتیب بناتی نہ جھگڑتے مردوں کو روکتی، اس کا واحد حل اپنے اپنے ملکوں سے لازمی ٹریننگ دے کر بھیجا جائے اور اس قسم کی حرکتوں پر جرمانے ہوں ! اب مرد حضرات جن میں پاکستانی اور انڈین حضرات کے بارے زینب کے بابا نے بتایا کہ ہمارے گروپ کے کافی مرد حضرات یہی رائے دے رہے ہے کہ انڈین یا پاکستانی سیلفیوں اور ویڈیوز میں تو مبتلا ہو جاتے، چپلوں میں بھی دیکھا دیکھی بے ادبی کر لیتے، مگر لڑائی جھگڑا یا دھکم پیل اور احرام میں کوتاہی نہ کرتے۔ کوئی اِکا دُکا مثال تھی، ورنہ اکثریت صاف ستھرے احرام میں ہی تھی۔ زینب کے بابا کا کہنا کہ ٹوپی کی تو اجازت تھی، بنیان کے علاوہ بستر کی چادروں، ہوٹل کے ٹاول وغیرہ کا احرام یا میلا کچیلا احرام مرد حضرات میں عام تھا، دوسرے اس کو دھوکا سمجھنے والے مرد پریشان تھے۔ آخر ہم ذمہ داران کے پاس گئے، بات چیت پر واضح ہوا کہ ملابس احرام کا کہا گیا، عمرہ کی نیت یا عمرہ مراد نہیں۔ پھر حرم کے اندر خواتین عملے سے بھی میں نے کہا تو ان کا بھی یہی جواب تھا کہ شروع سے ملابس احرام کی شرط ہے، عمرے کی نہیں۔ فوجی حضرات بھی یہی جواب بتا رہے تھے اور ملابسِ احرام، ملابسِ احرام کی آواز ہی لگ رہی تھی۔۔۔ تو پھر اتنی ہنگامہ خیزی سمجھ سے باہر رہی۔ دوسرے انتظامیہ نے مرد اور خواتین کے گیٹ جو الگ الگ متعین تھے، اس دفعہ یہ سہولت نظر نہ آئی، بلکہ زیادہ تر گیٹ بند اور بیریئر لگا دیے جاتے۔ بہر حال ! رحمٰن کا مہمان ہونا ہے تو ایسے جائیں کہ رحمٰن ہمیں بار بار مہمان بنائے۔ وہاں تو بیت اللہ کو دیکھنا، دیکھتے رہنا بھی عبادت اور اس میں جو لذّت، جو کیفیت ہے، وہ کسی اور منظر میں کہاں ! واپسی کا دن تھا اور ہوٹل کے گیٹ سے جھلک دکھاتے اس عظیم الشان گھر کے دیدار سے سیر ابی ہی نہیں ہو رہی تھی۔ حقیقتاً واپسی میں ایک ہی دعا تھی زبان پر کہ اللہ کریم پھر جلد اپنے گھر کی اور حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے در کی بار بار حاضری نصیب فرمانا، آمین ثم آمین ! واپس تو آگئے، مگر دل اور روح وہیں رہ گئی۔

آپ کی یاد سے آنکھ بھرتی رہی
دل تڑپتا رہا، روح مچلتی رہی

دیجیے کچھ تسلی اسی درد کی
سر پہ دستِ مبارک سجا دیجیے

یاد آتی ہے مجھے اہلِ مدینہ کی یہ بات
زندہ رہنا ہے تو انسان مدینے میں رہے

اللہ کریم مجھے، میرے شوہر، والدین، بچوں، عزیز و اقارب، اساتذہ کرام، ان کے اہل و عیال، طالبات، ان کے اہل و عیال اس تحریر کے پڑھنے والوں، اشاعت کرنے والوں، کمپوزنگ اور جو جو اس تحریر میں حصہ دار ہے، ان سب کو ان کے اہل و عیال کو بار بار مقبول و مبرور حج و عمرہ کی سعادت باادب نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین !

دل بھی صدقے کیا وار دی اپنی جان
روح تسکین پائے تو پائے کہاں
کس طرح دور رہ کر جییں ہم یہاں
جبکہ سب کچھ ہمارا مدینے میں ہے
زندگی چاہیے تو مدینے چلو
کیف سارے کا سارا مدینے میں ہے
بن کے سرکار کی مہمان مدینے میں رہوں۔۔۔

آمین ثم آمین ! !

# حسنِ اخلاق
# مسلمان کی پہچان

حفصہ سلطان

**محبت کا پیکر، صفت:**

دھوپ میں سایہ، اندھیرے میں روشنی اور نفرتوں میں محبت کا پیکر اگر کسی صفت کو کہا جا سکتا ہے تو وہ "حسنِ اخلاق" ہے۔ اسلام کی تعلیمات نے انسان کو سکھایا کہ اچھا اخلاق محض ایک عادت نہیں بلکہ ایک مسلمان کی پہچان ہے، جو اسے دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی عطا کرتا ہے۔

کسی بھی معاشرے کی خوب صورتی اس کے افراد کے اخلاق سے ظاہر ہوتی ہے۔ حسنِ اخلاق نہ صرف انسان کی شخصیت کو نکھارتا ہے بلکہ اسے دوسروں کے لیے محبت و احترام کا باعث بھی بناتا ہے۔ اسلام نے حسنِ اخلاق کو ایک مسلمان کی پہچان قرار دیا ہے اور نبی اکرم ﷺ نے اپنی سیرتِ مبارکہ سے اخلاق کی اعلیٰ ترین مثالیں پیش کیں۔

اخلاقیات کسی بھی معاشرے کی بنیاد ہوتے ہیں اور فرد کی شخصیت کا اصل آئینہ اخلاق ہی ہے۔

حسنِ اخلاق، یعنی اچھا برتاؤ، نرم رویہ اور دوسروں کے ساتھ محبت و ہمدردی کا مظاہرہ، اسلامی تعلیمات کا بنیادی جزو ہے۔

**اخلاق کا اسلامی تصوّر:**

اسلام نے اخلاق کو محض ذاتی خوبی یا معاشرتی ضرورت نہیں، بلکہ ایمان کا حصہ قرار دیا ہے۔ ایک مسلمان کا ایمان اُس وقت مکمل نہیں ہو سکتا جب تک اُس کے اخلاق اچھے نہ ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سب سے بہتر وہ ہے، جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو۔" (صحیح بخاری)

گویا حسنِ اخلاق ایک مسلمان کے کردار اور پہچان کی بنیاد ہے۔

**1۔ نرمی اور خوش اخلاقی:**

حضرت محمد ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ہمیشہ نرم مزاجی سے پیش آتے تھے، حتیٰ کہ اپنے دشمنوں سے بھی بدسلوکی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ ایک مرتبہ ایک بدو نے آپ ﷺ کی چادر کھینچ لی، مگر آپ ﷺ نے سخت جواب دینے کی بجائے معاف فرما دیا۔

**2۔ معافی اور درگزر:**

حسنِ اخلاق کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ انسان دوسروں کی غلطیوں کو معاف کرے۔ فتح مکہ کے موقع پر رسول ﷺ نے ان لوگوں کو بھی معاف کر دیا جنھوں نے آپ پر مظالم ڈھائے تھے۔

**3۔ دوسروں کا خیال رکھنا:**

حسنِ اخلاق میں دوسروں کے ساتھ ہمدردی، تعاون اور ان کی ضروریات کا خیال رکھنا شامل ہے۔ حدیث میں ہے: "جو اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے، اللہ اُس کی مدد فرماتا ہے۔" (صحیح مسلم)

**4۔ گفتگو میں نرمی:**

ایک مسلمان کی زبان اُس کے اخلاق کا مظہر ہے۔ نرم لہجہ، سچائی اور خوش کلامی وہ خصوصیات ہیں جو ایک مؤمن کی پہچان بناتی ہیں۔

**معاشرت پر حسنِ اخلاق کے اثرات:**

حسنِ اخلاق ایک مضبوط اور خوش حال معاشرے کی بنیاد رکھتا ہے، جہاں افراد ایک دوسرے کے ساتھ نرمی سے پیش آئیں، معاف کرنے کا جذبہ ہو اور ہر کوئی دوسروں کے حقوق کا خیال رکھے، وہاں محبت اور بھائی چارے کی فضا قائم ہوتی ہے۔

اس کے برعکس بداخلاقی، معاشرتی فساد اور نفرت کو جنم دیتی ہے۔

**قرآن وسنت میں حسنِ اخلاق کی ترغیب:**

قرآنِ کریم میں کئی مقامات پر حسنِ اخلاق کی تاکید کی گئی ہے:

"اور نرمی اختیار کرو اور درگزر کرو۔" (الاعراف:199)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن اخلاق سے بڑھ کر کوئی چیز وزنی نہ ہو گی۔" (سننِ ترمذی)

حسنِ اخلاق وہ خوبی ہے جو انسان کو نہ صرف معاشرے میں معزز بناتی ہے بلکہ آخرت میں بھی کامیابی کا ذریعہ بنتی ہے۔ ایک مسلمان کی پہچان اُس کا اخلاق ہے اور یہی وہ وصف ہے، جو دینِ اسلام کو دیگر مذاہب سے ممتاز کرتا ہے۔

خُلقِ محمدی ﷺ سے بڑھ کر کوئی خُلق نہیں، یہی خُلق ہے جو دلوں پر حکمرانی کرتا ہے۔

واقعی، حسنِ اخلاق ہی وہ خوبی ہے جو انسان کو عظیم اور معاشرے کو مستحکم بناتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں اخلاق کو ایمان کا زیور قرار دیا گیا ہے۔

ہمیں چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو مشعلِ راہ بناتے ہوئے اپنے اخلاق کو سنواریں اور دوسروں کے ساتھ محبت، نرمی اور ہمدردی کا برتاؤ کریں، تاکہ ہم دنیا و آخرت میں کامیاب ہو سکیں۔

ہر روز کی طرح ہر صبح کی ابتدا نہایت ہی پُر جوش ہوتی ہے۔ ہلکی ہلکی آنکھوں کو مسلتے ہوئے کھڑکی کا پردہ ہٹانا اور سورج کی شعاؤں کا کمرے پر پڑنا اور ہر طرف روشنی کا پھیل جانا، کھڑکی کے باہر کا منظر کا تو کیا ہی کہنا، ہر طرف ہریالی سرسبز و شاداب درخت اور اس کے درمیان سے جھیلوں کے پانی کا رفتہ رفتہ گزرنا، آنکھوں میں خوشی کی لہر کا آ جانا اور اس منظر کو دیکھتے ہی دل کا پُر مسرّت ہو جانا اور تمام تر پریشانیوں کو بھول کر اس میں کھو جانا۔

”کیا واقعی! خیالوں تک خوب صورت ہے زندگی۔“

صبح ہوتے ہی کانوں میں ایک آواز گونجی: ”روحہ بیٹا! اُٹھ جاؤ۔ کیا آپ نے اسکول نہیں جانا! صبح ہو گئی ہے۔“ یہ میری امی جان کی آواز تھی۔ میں آہستہ آہستہ آنکھوں کو مسلتے ہوئے اُٹھی۔ ٹائم دیکھا تو گھڑی آٹھ بجا رہی تھی۔ فوراً دادا جان کی کہی ہوئی بات ذہن میں آئی کہ سب سے پہلے اللہ ربُّ العزّت کو یاد کرنا، اس کی حمد و ثنا کر کے پھر آپ ﷺ پر درود پاک بھیجنا۔ دادا جان کی کہی ہوئی بات پر عمل پیرا ہو کر جلدی سے اسکول کے لیے تیار ہوئی۔ نیچے آ کر سب کو سلام کیا اور دادا جان کے گلے لگی تو وہ مسکراتے ہوئے ہمیں دیکھنے لگے تو ہم نے دادا جان کو بتایا کہ ہم نے آج ان کی بتائی ہوئی بات پر عمل کیا ہے۔

تو دادا جان نے ہمیں شاباشی کے ساتھ ساتھ بہت سی دعائیں بھی دیں، پھر ہم نے دادا جان سے کہا کہ آج آپ ہمیں درود شریف کے بارے میں بتائیے گا، پھر ہم اللہ حافظ کہہ کر اسکول کے لیے روانہ ہو گئے۔

اسکول سے آنے کے بعد ہم دادا جان کے پاس چلے گئے، تاکہ کچھ جان سکیں۔ دادا جان ہماری طرف دیکھ کر مسکرائے، اور کہنے لگے: اللہ ربُّ العزّت نے قرآنِ پاک میں نماز، روزہ، حج، زکوۃ جیسے بہت سے احکام دیے ہیں اور بہت سے انبیائے کرام علیہم السلام کی تعریف و توصیف بھی کی ہے۔ انھیں مختلف اعزازات سے نوازنے کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔

اللہ کا انکار ہے انکارِ محمد (ﷺ)    اقرار ہے اللہ کا اقرارِ محمد (ﷺ)

لیکن کسی حکم یا کسی کے اعزاز و اکرام میں یہ نہیں فرمایا کہ میں بھی یہ کام کرتا ہوں تم بھی کرو۔ یہ اعزاز صرف ہمارے پیارے نبی سیدُالانبیا ﷺ کے لیے خاص ہے کہ درود شریف کی نسبت پہلے اپنی طرف فرمائی اور پھر فرشتوں کی طرف کرنے کے بعد اہلِ ایمان کو حکم دیا کہ ”اے مسلمانو! تم بھی میرے نبی ﷺ پر درود بھیجو۔“

کتنا حسین تحفہ ہے وِردِ درود پاک    قرآن نے سکھایا ہے وِردِ درود پاک

درود شریف کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنے کا حکم دیا۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (الاحزاب:56)

”بے شک اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں نبی ﷺ پر، اے ایمان والو! تم بھی آپ ﷺ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔“

**درود شریف کے معانی:** بعض علما نے لکھا ہے کہ اللہ پاک کے درود بھیجنے کا مطلب حضورِ اکرم ﷺ کو مقامِ محمود تک پہنچانا ہے، جو مقامِ شفاعت ہے اور فرشتوں کے درود بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ فرشتے آپ کی بلندئ درجات کی دعا اور آپ کی امت کے لیے استغفار کرتے ہیں اور مؤمنین کے درود سے مراد سرورِ عالم ﷺ کی اتّباع اور آپ کے ساتھ محبت کرنا، آپ کے اوصافِ جمیلہ اور سیرتِ عالیہ کا تذکرہ و تعریف کرنا ہے۔

دادا جان ہماری طرف دیکھ کر مسکرائے اور بولے: درود شریف کی فضیلت پر بعض احادیثِ مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ میرے قریب وہ شخص ہو گا، جو مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھنے والا ہے۔“ (سننِ ترمذی)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”اللہ پاک کے بہت سے فرشتے زمین میں (سیاحت) چکر لگاتے رہتے ہیں اور میری اُمت کا سلام مجھ کو پہنچاتے ہیں۔“ (سننِ نسائی)

دل بھی تو دیوانہ ہو کر اب میرا    پڑھ رہا شام و سحر تم پر درود

حضرت عُمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ”دُعا مُعلق رہتی ہے درمیان آسمان و زمین کے، اس میں سے کچھ بھی مقامِ قبول تک نہیں پہنچتا جب تک اپنے نبی ﷺ پر درود نہ پڑھو۔“ (سننِ ترمذی)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”بخیل اور کنجوس ہے وہ شخص، جس کے سامنے میرا ذِکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔“ (سننِ ترمذی)

دُرود شریف کی ایک عجیب خصوصیت: صرف دُرود شریف ہی ایک ایسی عبادت ہے، جس میں منہ سے بیک وقت اللہ تعالیٰ کا نام بھی نکلتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا نام بھی نکلتا ہے، دونوں نام ایک ساتھ نکلتے ہیں۔ درود شریف کے علاوہ کوئی عبادت ایسی نہیں، جس میں دُونوں نام ساتھ ساتھ نکلیں۔ ایک شاعر نے کہا کہ جب میں نے دُرود شریف پڑھا تو اللّٰہ تعالیٰ کا نام بھی منہ سے نکلا اور حضور ﷺ کا نام بھی نکلا اور اُس وقت اتنا مزہ آیا کہ جیسے

اگر چاہو خدا کی رحمتوں سے واسطہ رکھنا
تو ہر لمحہ لبوں پر اپنے ذکرِ مصطفیٰ رکھنا
میں ایسی بے خودی کو ہوش سے بہتر سمجھتا ہوں
کہ یادِ مصطفیٰ میں دُونوں عالم کو بھلا رکھنا

اس کے بعد دادا جان کہنے لگے اس لیے جو فرائض و واجبات اور سُنّتِ مؤکدہ ادا کرتا ہے، گناہوں سے بچتا ہے اور صرف دُرود شریف کثرت سے پڑھتا رہے، اُس کی مغفرت کی ضمانت ہے۔ پھر دادا جان نے روحہ بیٹی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ”رسول اللہ ﷺ کی محبت عینِ ایمان ہے۔“

جب دادا جان خاموش ہو گئے تو روحہ نے دادا جان سے پوچھا کہ ”دادا جان! آپ کو یہ تمام باتیں کہاں سے معلوم ہوئیں۔“ تو دادا جان نے بتایا کہ ”ہمیں بچپن سے ہی معلومات حاصل کرنے کا بہت شوق تھا، کچھ اساتذہ بتاتے اور کچھ ہم مطالعہ سے معلوم کر لیتے، پھر جب ہم مدرسہ جانے لگے تو دینی کتابوں کا مطالعہ روٹین میں آ گیا اور ساتھ ہی ساتھ دینی معلومات بھی، بس! اِس طرح سے ہمیں یہ سب معلوم ہے۔“

روحہ نے دادا جان سے عہد کیا کہ وہ آپ ﷺ پر کثرت سے دُرود شریف پڑھا کرے گی اور دینی کتابوں کا مطالعہ بھی اپنی زندگی میں لائے گی (ان شاء اللہ) باقاعدگی کے ساتھ۔۔۔

دادا جان نے کہا: ”بس اللہ پاک ہم سب کو استقامت کے ساتھ ہدایت کی دولت عطا فرمائے۔“ (آمین)

# ASLEE AROMA OF RAMADAN

رهو خوشبوؤں کیں

ProudlyMadeInPakistan

Perfect®
MATIC

# حضرت عائشۃ صدیقۃ رضی اللہ عنہا

عذرا خالد

**نام ونسب اور خطابات:**

آپ کا نام عائشہ اور خطاب اُمّ المومنین ہے۔ القاب صدیقہ، حبیبۃ الرّسول، موفقہ، طیبہ، حمیرا ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بنتِ صدیق سے بھی آپ کو یاد فرمایا ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کاشانہ وہ برجِ سعادت تھا، جہاں اسلام کی شعاعیں سب سے پہلے جلوہ فگن ہوئیں۔

**بھائیوں کے نام:**

عبدالرّحمٰن بن ابی بکرؓ

عبداللہ بن ابی بکرؓ

محمد بن ابی بکرؓ

**بہنوں کے نام:**

اسماء بنتِ ابی بکرؓ

اُمّ کلثوم بنتِ ابی بکرؓ

**علمی مقام:**

اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تمام ازواج مطہرات میں ایک خاص مقام رکھتی ہیں، آپ کو مجتہد صحابہؓ میں شمار کیا جاتا ہے، اصحابِ رسول ﷺ کو جب کسی مسئلہ میں مشکل پیش آتی تو آپ کے پاس حاضر ہوتے۔ اپنے مسائل پیش کرتے، آپ ان کے مسائل کا تسلی بخش جواب عنایت فرماتیں۔ ایک کثیر جماعتِ صحابہؓ و تابعینؒ کو آپ سے شرفِ تلمّذ حاصل ہے۔ کبارِ صحابہ کرام و صحابیات علیہم الرضوان کو آپ پر حد درجہ اعتماد تھا۔ مختلف علوم پر آپ کو مکمل دسترس تھی۔ آپؓ کے مایہ ناز شاگرد، بھانجے اور تربیت یافتہ حضرت عروہؓ بن زبیرؓ کا قول ہے:

"میں نے قرآن، فرائض، حلال و حرام، فقہ، شاعری، طب، عرب کی تاریخ اور نسب کا عالم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔" (تذکرۃ الحفّاظ)

طبقاتِ ابنِ سعد میں ابو سلمہ بن عبدالرّحمٰن سے مروی ہے کہ "میں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ نہ کسی کو سنتِ رسول (ﷺ) کا عالم دیکھا، نہ کسی ایسے معاملے میں جس میں رائے کی حاجت ہو، نہ ان سے زیادہ کسی کو فقیہ دیکھا اور نہ کسی آیت کے شانِ نزول میں ان سے زیادہ عالم دیکھا اور نہ فرائض میں کسی کو آپ سے بڑھ کر پایا۔"

اسی طرح عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"عام معاملات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سب سے بڑھ کر فقیہہ، سب سے بڑی عالمہ اور رائے و مشورہ میں سب سے بڑھ کر تھیں۔"

سیدہ عائشہ، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے عہدِ خلافت میں اپنی وفات تک برابر فتویٰ دیتی رہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فصاحت و بلاغت میں بھی نمایاں مقام رکھتی تھیں۔ ترمذی میں موسیٰ بن طلحہ کا یہ قول نقل ہے: مَارَأَیْتُ اَفْصَحَ مِنْ عَائِشَةَ میں نے عائشہؓ سے زیادہ کسی کو فصیح اللّسان نہیں دیکھا۔

آپ کے اندر شاعرانہ صلاحیت خوب تھی، لیکن آپ اشعار نہیں کہتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مختلف علوم میں خاص مہارت عطا فرمائی تھی۔ علم الانساب تو آپ کو وراثت میں ملا تھا، کیوں کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ علم الانساب میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ علمِ کلام کے بارے میں آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا، جن میں رؤیتِ باری تعالیٰ، عصمتِ انبیائے کرام علیہم السّلام آپ کے نظریات و خیالات سے متکلمین کو راہنمائی ملتی ہے۔

علمِ تاریخ میں ہشام نے اپنے والد عروہ کا قول بیان کیا ہے، فرماتے ہیں: "تاریخ و انساب میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر جاننے والا کوئی نہ تھا۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بیان کردہ احادیث، آپ کے فتاویٰ اور اقوال آج بھی امت کے لیے رُشد و ہدایت کا ذریعہ ہیں اور تا قیامت آپ کا یہ فیض جاری و ساری رہے گا۔

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں: "احکامِ شرعیہ کا چوتھائی حضرت عائشہؓ سے منقول ہے۔" (سیرت المصطفیٰ ﷺ، ج: سوم)

سیرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کا علمی مقام اور رتبہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"روایات کی کثرت کے ساتھ ساتھ تفقّہ اور قوّتِ استنباط کے علاوہ سیدہ عائشہؓ کی روایتوں کی ایک خاص خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ جن احکام اور واقعات کو نقل کرتی ہیں، ان کے علل و اسباب بھی بیان کرتی ہیں۔ وہ خاص حکم جن مصلحتوں پر مبنی ہوتا ہے، ان کی تشریح کرتی ہیں۔"

تذکرۃ الحفّاظ میں علّامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آپ کو آٹھ برس اور پانچ ماہ نبی ﷺ کی صحبت و رفاقت میں رہنے کا شرف حاصل ہے۔

حضرت عائشہؓ کے علمی کمالات کو مختصر بیان کیا جائے تو اس سے واضح نظر آتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا قرآنِ کریم کی بہت بڑی مفسّرہ تھیں، حدیثِ رسول ﷺ کی ایک بہت بڑی راویہ و شارحہ تھیں۔

اس لیے عورتوں کے لیے کسی دینی درسگاہ کا نصاب سیرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں موجود ہے۔ اس لیے امتِ مسلمہ میں بچیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے سب سے بڑا اسوہ اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ کی ذاتِ گرامی ہے، جن کو راہنما اور معیار بنائے بغیر ہم اپنی نئی نسل کی بچیوں کو دینی تعلیم سے بہرہ ور کرنے کے تقاضے پورے نہیں کر سکیں گے۔ اس لیے اسوۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سمجھنا اس پر عمل کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

# مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

## رمضان المبارک کی آمد کی خبر دینے سے متعلق "حدیث" کا جائزہ

**سوال:** آج کل سوشل میڈیا اور دیگر ذرائع ابلاغ کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ایک حدیث گردش کرنے لگتی ہے کہ "جس نے سب سے پہلے کسی کو رمضان المبارک کی خبر دی تو اس پر جہنم کی آگ حرام ہو جاتی ہے۔" کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ اور اسے آگے شئیر کرنا درست ہے؟

**جواب:** واضح رہے کہ کتبِ احادیث میں ایسی کوئی حدیث مذکور نہیں، یہ لوگوں کی بنائی ہوئی من گھڑت بات ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف ایسی بات منسوب کرنا جو آپ ﷺ نے ارشاد نہ فرمائی ہو، نہ صرف گناہ بلکہ بڑے وبال وعذاب کا سبب ہے، چناں چہ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: "مجھ پر جھوٹ مت بولو، کیوں کہ جو مجھ پر جھوٹ باندھے وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔" (صحیح بخاری)

## وجوبِ زکوٰۃ سے متعلق ایک اہم مسئلہ

**سوال:** ایک آدمی کے پاس ایک تولہ سونا ہے، جس کی موجودہ قیمت مثلاً ایک لاکھ روپے ہے۔ یہ آدمی روزانہ مزدوری کرکے کماتا ہے اور اسی سے اس کا گزران ہے۔ اس آدمی کے پاس گھر کے ضروری اخراجات کے علاوہ اور نقد روپیہ نہیں ہے جو پیسے مزدوری کرکے کماتا ہے، انھیں ضروریات میں خرچ کرتا رہتا ہے، البتہ احتیاط کے طور پر اپنے پاس کچھ رقم جیب میں ضرور رکھتا ہے، جس کی مقدار 50 اور 100 سے لے کر ہزار دو ہزار تک رہتی ہے۔ سال بھر اس کی یہی حالت ہے۔ اب اس آدمی پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں اور جو رقم اس کے پاس ہے، وہ نصاب میں شمار ہوگی کہ نہیں؟ اس کا نصاب سونے والا (ساڑھے سات تولہ سونا) ہوگا یا ان پیسوں کی وجہ سے چاندی والا (ساڑھے باون تولہ چاندی)؟ زکوٰۃ واجب ہونے کی صورت میں بعض اوقات اس کو سونا بھی بیچنا پڑتا ہے، مثلاً: سال کے اختتام پر صرف 100 روپیہ اس کے جیب میں پڑے ہوئے ہیں اور زکوٰۃ اس پر ڈھائی ہزار واجب ہے تو کیا اس پر سونا بیچ کر زکوٰۃ دینا واجب ہے؟

اسی طرح ایک عورت ہے، جس کے پاس دو تولے سونا ہے، تاہم! اس کو جیب خرچ کے واسطے بھی 1000 یا 2000 ملتے ہیں۔ وہ ان پیسوں کو اپنی ضروریات میں خرچ کرتی رہتی ہے، پیسے کبھی کم ہوتے ہیں، کبھی زیادہ! سال بھر اس کی یہی حالت ہوتی ہے۔ اب اس عورت پر زکوٰۃ دینا واجب ہے یا نہیں؟ اگر یہ عورت زکوٰۃ دے اور اس کے پاس سونے کے علاوہ نقدی کچھ نہ بچے تو وہ مستحقِ زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

**جواب:** واضح رہے کہ جس شخص کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ سے کم سونا ہو اور اس کے پاس کچھ نقدی بھی آجائے اور دونوں کی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے اور زکوٰۃ کے قمری سال کے پہلے دن اور آخری دن وہ دونوں چیزیں اس شخص کی ملکیت میں موجود ہوں تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(1)(2) صورتِ مسؤلہ میں مذکورہ رقم بھی نصاب میں شمار ہوگی اور دونوں کو ملاکر چاندی کے نصاب کا اعتبار کیا جائے گا، لہذا اگر ایک تولہ سونا اور مذکورہ نقدی، دونوں کی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے اور سال کے اوّل وآخر مذکورہ چیزیں اس کی ملکیت میں موجود ہوں تو اس شخص پر زکوٰۃ واجب ہے۔

(3) مذکورہ صورت میں اگر اس شخص کے پاس زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے نقد رقم میسر نہ ہو، تب بھی اس پر زکوٰۃ دینا لازم ہے، چاہے سونا بیچنا پڑے یا کسی سے قرض لینا پڑے۔

(4) صورتِ مسؤلہ میں اگر زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد مذکورہ عورت کے پاس نقدی کچھ بھی نہ بچے، صرف مذکورہ ایک تولہ سونا بچ جائے اور اس کے پاس چاندی یا مالِ تجارت یا ضرورت سے زائد سامان اتنا نہ ہو کہ اگر مذکورہ چیزوں (چاندی، مالِ تجارت اور ضرورت سے زائد سامان) کو ایک تولہ سونا کے ساتھ ملا دیا جائے تو ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے تو یہ عورت مستحقِ زکوٰۃ، اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور اس پر زکوٰۃ بھی واجب نہ ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ جو رقم سال کے دوران خرچ ہو جائے یا خرچ تو نہ ہو، البتہ اس رقم کے بقدر اس پر قرضہ کی ادائیگی واجب ہو تو اس رقم پر زکوٰۃ واجب نہیں، لیکن اس کے علاوہ جو رقم باقی بچے اور نصاب کے برابر ہو تو اختتامِ سال پر مذکورہ رقم پہ زکوٰۃ واجب ہے، اگرچہ اس کی نیت وہ رقم اپنے نفقہ میں خرچ کرنے کی ہو یا قرضہ کے علاوہ کوئی اور ضرورت پوری کرنے کی ہو۔

# نارنگی بے شمار طبی فوائد

حکیم شمیم احمد

## تعارف

نارنگی کو ہندی میں نورنگی، بنگالی میں نارنگالیبو اور انگریزی میں Orange کہتے ہیں۔ نباتاتی نام CitrusSinenis ہے، یہ Rutaceae سے تعلق رکھتا ہے۔ موسمی مالٹا، کینوں، لیموں گریپ فرٹ اسی فیملی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کی جائے پیدائش مشرقی ایشیا ہے۔ وہاں سے نکل کر اب یہ ساری دنیا میں پھیل چکا ہے۔ سرد علاقوں میں یہ سبزی مائل اور گرم علاقوں میں مکمل اورنج رنگ اختیار کرلیتا ہے۔ نارنگی ایک مشہور، خوب صورت اور مزیدار پھل ہے۔ سنتگرے سے چھوٹا ہوتا ہے، بعض نے نارنگی کو نارنج کا نام دیا ہے۔ نارنگی سنتگرہ اور کینوں سے چھوٹی ہوتی ہے۔ اس کا چھلکا پتلا اور چھوٹا ہے۔ یہ شیریں اور ترش دو قسم کی ہوتی ہے اورنج کو سب سے پہلے عربوں نے یورپ میں متعارف کروایا، پھر بعد میں اسپین میں اس کی باقاعدہ کاشت کاری شروع کی گئی۔ قدیم رومی بھی اورنج کے فوائد سے واقف تھے۔ ان کی کتابوں میں اس پودے کی نشوونما و حفاظت کے بارے میں واضح ہدایت موجود ہے۔ رومی اس کو نشے کے اثراتِ بد سے بچنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ زیادہ نشے کی وجہ سے ہونے والی قے کی صورت میں تازہ اورنج کا جوس پینے کی ہدایت دی جاتی۔

1920ء میں برطانیہ کے ایک لینڈ لارڈ نے اس کو اسپین سے درآمد کر کے اس کی باقاعدہ کاشتکاری شروع کی۔ 1439ء میں فلوریڈا کے مقام پر اس کی کاشتکاری کا آغاز کیا گیا اور اب پوری دنیا میں سب سے زیادہ فلوریڈا میں ہی اس کی پیداوار ہوتی ہے۔ اب اورنج بلا مبالغہ پوری دنیا میں باقاعدہ کاشت کیا جاتا ہے۔ 1493ء میں کرسٹوفر کولمبس نے اورنج کو امریکہ میں متعارف کروایا اور ہسپانیہ لیا پر اس کی باقاعدہ کاشتکاری کا اہتمام کیا۔

**اورنج کے طبی افعال:** اورنج کے طبّی افعال کے بارے میں جامع تحقیق سب سے پہلے عربوں نے کی، پھر سولہویں صدی تک اس پر کوئی کام نہ ہوا۔ فرانس اور یورپ میں اس پر زیادہ کام یوں بھی نہ ہو سکا کہ یورپ میں یہ ایک گراں قیمت پھل تھا، بلکہ بعض علاقوں میں اس قدر مہنگا تھا کہ کرسمس اور دیگر تہواروں میں لوگ اس کو بطورِ تحفہ بھیجا کرتے تھے۔ اٹھارویں صدی میں اس پر کچھ کام ہوا، جب اورنج یورپ میں منوں کے حساب سے پیدا ہونے لگا۔ اس وقت بھی عربوں نے ہی پیداوار کو آگے بڑھایا۔

## اورنج منہ کے امراض میں انتہائی مؤثر

یاد رہے! جب بھی اورنج، مالٹا، موسمی یا کینوں کا جوس پییں تو تازہ پییں۔ ترشی ہو تو سیاہ مرچ اور سیاہ نمک معمولی مقدار میں شامل کرلیں۔ منہ کی بدبو دانتوں یا مسوڑھوں سے خون کا آنا اور منہ کے اندر چھالوں کا ہونا ان عوارضات کے لیے۔

**نسخہ:** ایک کپ نیم گرم پانی میں دو یا تین قطرے اورنج آئل ملا کر دن میں تین سے چار مرتبہ کلی اور غرارے کریں۔ نظامِ ہضم کے لیے اورنج بہت فائدہ مند پھل ہے۔ زود ہضم ہے، قبض دور کرتا ہے۔ ریاح کو خارج کرتا ہے۔ آنتوں کی حرکت کو مؤثر بناتا ہے۔ معدے کے افعال کو درست کرتا ہے۔

## معدے کی اصلاح

معدے کی اصلاح اور امراض دور کرنے کے لیے اورنج، مالٹا، کینوں اور موسمی کا جوس ہر کھانے کے بعد ایک گلاس پییں، صبح نہار منہ پییں، کم اور سادہ غذا استعمال کریں اور بغیر چھنے آٹے کی روٹی کھائیں۔

## اورنج کے فوائد

- اورنج کو مالیخولیا، سودا کی زیادتی، دل کے امراض، دمہ، سانس کے امراض، پیٹ اور سینے کے امراض، سمندری سفر کے دوران آنے والے چکروں، زچگی کی قے اور گرمی کے امراض کے لیے مفید و کارآمد پایا گیا۔
- بیشمار گھریلوں ٹوٹکوں میں بھی اورنج جوس کا استعمال کیا جانے لگا۔
- جدید تحقیق کی رو سے ڈاکٹر Lackraik، ڈاکٹر ماری اور دیگر تحقیق دانوں نے اورنج کو مقوی معدہ، دافع تشنج، دافع بلغم، گیس اور ریاحی و بادی امراض، ریاحی بد ہضمی، زیادہ کھانے کی بد ہضمی اور قبض کا بہترین علاج بتایا ہے۔
- اورنج نظامِ مدافعت کو تقویت دے کر خون صاف کرتا ہے۔
- نروس سسٹم اور اعصابی کھچاؤ کے لیے نہایت سکون آور ہے۔
- اورنج رگوں، شریانوں اور خون کی نالیوں کو لچک دار اور طاقتور بناتا ہے۔
- اورنج میں وٹامن بی اور سی بھی خاصی مقدار میں موجود ہیں، جو تازہ پھل اور جوس کی حالت میں تیس تا پینتیس فیصد تک جسمانی نظام میں شامل ہو جاتے ہیں، جبکہ وٹامن کی گولیوں کی صورت میں بمشکل پندرہ فیصد جذب ہوتے ہیں۔
- اورنج جوس ذیابطیس کے مریضوں اور کھلاڑیوں کے لیے بھی مفید ہے۔ اس کے علاوہ کم مقدار میں کیلشیم میگنیشیم، فاسفورس، پوٹاشیم، سوڈیم اور سلفر بھی اس میں شامل ہیں اور نہایت خفیف مقدار میں تانبہ لوہا زنک، برومائین اور میگنیز بھی موجود ہے۔ ان معدنیات کی فہرست سے آپ اورنج کی طاقت اور شفا بخشی کی قوّت کو بآسانی سمجھ سکتے ہیں۔

## اورنج سے پیٹ کے تمام امراض کا صفایا

اورنج زود ہضم، مفرّح اور طاقت بخش ہے۔ گرمی، پیاس کی زیادتی، فسادِ خون، بد ہضمی متلی اور جگر کی گرمی کے بخار میں بھی مفید ہے۔ بڑا گوشت کھانے کے بعد اکثر لوگ بد ہضمی اور پیٹ کی خرابی کا شکار ہو جاتے ہیں، اس وقت دو یا تین اورنج کھائیں یا اس کا جوس پییں، یہ عمل تین دن جاری رکھیں۔ موسمی، مالٹے، کینوں اور اورنج کا جوس پییں۔ اس سے نہ صرف پیٹ کے تمام امراض دور ہو جائیں گے بلکہ بے حد چستی حاصل ہو گی۔

## اورنج اکسیری ٹانک

امراضِ قلب کے لیے اورنج کارآمد اور مفید ہے۔ مثلاً تشنج قلب، دل کی غیر معمولی دھڑکن، بلڈ کولیسٹرول وغیرہ پر نہایت مفید اثرات مرتّب کرتا ہے۔ دورانِ خون کو اعتدال پر لاتا ہے۔ فسادِ خون کے تمام امراض میں بھی فائدہ دیتا ہے۔ قلب کے حوالے سے جذباتی پریشانیوں، اسٹریس، تناؤ ڈپریشن، زودرنجی، زود حسی، بات بے بات پر رو دینا، ذہنی پریشانی، مالی پریشانی، بچوں کے مستقبل کے بارے میں ذہنی دباؤ وغیرہ کے لیے اورنج اکسیر کا کام کرتا ہے۔

NEW Zaiby Jewellers CLIFTON
A trusted name in jewellery since 1974
You'll be surprised by the reaction you get!
Unleash the Power of True Luxury with Exquisite Jewelry That Tells a Story of Unmatched Craftsmanship and Timeless Beauty. Each Piece is Designed to Celebrate Your Unique Style, Making Every Moment Shine Brighter Than Ever Before.
Follow our socials:
NEWZAIBYJEWELLERS
Scan now to visit us:
S-11, Yousuf Grand Square, Block 8, Clifton, Karachi
Contact us:
021 35835455 - 021 35835488

# بے پردگی کے اثرات

بنتِ حافظ یاسین

بے پردگی ایک ایسا مسئلہ ہے جو اسلامی معاشرت میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔
اسلامی تعلیمات کے مطابق پردہ صرف ایک ظاہری عمل نہیں، بلکہ یہ ایک اخلاقی اور معاشرتی ذمے داری کے ساتھ ساتھ خاندانی شناخت بھی ہے۔بے پردگی کا فروغ مختلف معاشرتی مسائل، خصوصاً بدکاری کی بڑھتی ہوئی شرح کا سبب بن رہا ہے۔

جب کہ زنا کی حرمت اسلام میں ایک بنیادی اصول ہے، جس کی بنیاد قرآن وسنّت پر ہے۔زنا کو شریعت میں ایک سنگین جرم قرار دیا گیا ہے اور اس کے بارے میں کئی آیات اور احادیثِ مبارکہ موجود ہیں جو اس کی ممانعت پر زور دیتی ہیں۔

- زنا کے قریب مت جاؤ، بے شک یہ ایک بے ہودہ عمل ہے اور بہت برا راستہ ہے۔ (بنی اسرائیل: 32)

الغرض ایسے افعال ہی نہ بجالاؤ جو سببِ زنا ہوں، مثلاً۔۔۔

- **نگاہوں کا حرام استعمال:** غیر محرم کو دیکھنا، جو دل میں خواہشات پیدا کرتا ہے۔
- **اختلاط:** غیر محرم افراد سے ملنا جلنا اور خلوت گزیں ہونا، جو زنا کی راہ ہموار کرسکتا ہے۔
- **غیر مناسب گفتگو:** ایسی باتیں کرنا جو فحاشی یا شہوت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔
- **چھیڑ چھاڑ:** کسی غیر محرم سے بے جا ہنسی مذاق یا چھیڑ چھاڑ کرنا۔
- **سوشل میڈیا کا غلط استعمال:** غیر محرم کے ساتھ غیر مناسب تصاویر یا پیغامات کا تبادلہ کرنا یا ایسی ویڈیوز یا مواد دیکھنا جو شہوانی جذبات کو بھڑکاتا ہے۔
- **بے پردگی:** غیر محرموں کے سامنے بے پردہ (کھلے ستر) آنا غیر معمولی کشش پیدا کرتا ہے جو غیر شرعی تعلقات کو فروغ دیتی ہے۔

یہ تمام افعال زنا کی طرف لے جانے والے راستے ہیں، جن سے اجتناب ضروری ہے، تاکہ اسلامی تعلیمات کی پاسداری ہوسکے۔

اسلام نے عورت کو پردے کا حکم دیا، اس کو دلوں کی پاکیزگی کا ذریعہ اور شریف زادیوں کا شعار قرار دیا۔اسلام نے عورت کو عزّت وعظمت دی، اس کو گھر کی ملکہ بنایا، اسی سے گھر کا چراغ روشن ہوتا ہے اور گھر میں آرام اور سکون ملتا ہے، لیکن اسلامی نظریے کے برعکس مغربی تہذیب کے دلدادہ لوگ عورت کو گھر کی بجائے شمعِ محفل اور سامانِ عیش بنا کر ترقی کی راہیں دِکھاتے ہوئے بازاروں میں گھسیٹ لائے، مساوات اور حقوقِ نسواں کے سبز باغ دِکھا کر مغربی تہذیب سے مرعوب طبقے نے اس صنفِ نازک پر بڑا ظلم کیا۔جب کہ بے پردگی عام ہونے کی صورت میں بے انتہا برے عواقب ہیں۔

بے پردگی عورت کو دینِ مبین سے انحراف اور گناہِ کبیرہ کی طرف مائل کرتی ہے اور حیا کو ختم کرنے کا سبب ہے، جب حیا ختم ہوجائے تو انسان جو چاہے کرتا ہے۔(الحدیث)

بے پردگی روا رکھنا خود اپنی ذات کی طرف دست درازی اور شر کو دعوت دیتا ہے اور عورت کو اعلیٰ وادنیٰ کے سامنے ایک بے قیمت شئ کی مانند کردیتی ہے، جسے ہر کوئی ٹٹول سکتا ہے۔یہ سببِ طلاق کے ساتھ ساتھ جرائم میں اضافے کا سبب، بے پردہ عورتوں کے پیچھے بلاشرف مردوں کی وہ دوڑ جس کی انتہا جرائمِ قبیحہ پر ہوتی ہے۔

عورت کی حفاظت کا سامان قرآنِ مقدّس نے غیر محرموں سے پردے میں ہی رکھا ہے۔

ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ (الاحزاب: 59)

- اس پردے سے بہت جلد ان کی شناخت ہوجایا کرے گی، پھر نہ وہ ستائی جائیں گی۔

آج کی عورت اگر اپنی زندگی صحیح اسلامی تعلیمات کے مطابق گزارنے کی کوشش کرے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے شہوت کی نگاہ سے دیکھنا تو دور کی بات، اپنے تصور میں بھی نہیں لائے گی، عورت اپنی تمام تر خوبیوں سے آراستہ ہوکر اپنے شوہر کے لیے نیک رفیقِ حیات، والدین کے لیے چشمۂ رحمت، بھائی کے لیے گلدستۂ محبت، اولاد کے لیے گہوارۂ الفت وچاہت اور سارے معاشرے کے لیے نیک بخت اور نیک سیرت کا مجموعہ بن کر ساری دنیا کو جنت نما بنا سکتی ہے اور پھیلنے والی برائیوں کا سدِّ باب کرکے انسانیت کو بھولا ہوا سبق یاد دلا سکتی ہے۔

بہر حال! خواتین ہوں یا مرد، حکم ران ہوں یا رعایا، علما ہوں یا عوام ہر ایک کو معاشرے سے بے حیائی وبے پردگی کو ختم کرنے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے، کیوں کہ اسلامی تعلیمات میں پردہ ایک تحفّظ کا ذریعہ ہے جو نہ صرف فرد کی عزّت ووقار کو محفوظ رکھتا ہے بلکہ معاشرتی نظام کے استحکام کا بھی ضامن ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ ہم اس مسئلے کی اہمیت کو سمجھیں اور اپنی زندگیوں میں اسلامی اصولوں کو اپنائیں، تاکہ زِنا جیسے سنگین گناہ سے بچا جاسکے۔

## وقت رک سا گیا ہے

حافظہ وسطیٰ چودھری

وقت رک سا گیا ہے، سِرکتا نہیں
رات کٹتی نہیں، دن نکلتا نہیں

بھیگتا ہوں اداسی کی بوچھاڑ میں
پر کبھی آنکھ سے میں چھلکتا نہیں

گھیر لیتی ہے کچھ اس طرح یاسیت
مدّتوں حال میرا سنبھلتا نہیں

دل کو لایا ہوں اس موڑ پر ضبط کے
جلتا رہتا ہے اب یہ پگھلتا نہیں

بن گئی ہے عجب داستاں زندگی
کوئی کردار اس میں بدلتا نہیں

اب تو پلکوں پہ امید بھی سو گئی
جانے والا کبھی بھی پلٹتا نہیں

ایک عرصے سے وحشت ہے طاری ہوئی
دل کسی پل بھی وسطیٰ بہلتا نہیں

# بھالو میاں اور مکھی بی

مہوش اسد شیخ

پرندوں کی چہچہاہٹ پر بھالو میاں کی آنکھ کھلی۔ سر بھاری محسوس ہو رہا تھا، کسل مندی سے کروٹ بدل لی۔ کتنی ہی دیر تک مندی مندی آنکھوں سے سامنے دیوار کو گھورتے رہے۔ گلے میں ہلکی ہلکی خراش محسوس ہو رہی تھی۔ طبیعت بوجھل تھی۔ ہاتھ اُٹھا کر اپنی پیشانی پر رکھ کر بخار کا اندازہ کرنے کی کوشش کی۔ گلے کا درد بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ من میں آیا کہ گرم پانی میں شہد ڈال کر پیا جائے، شاید افاقہ ہو جائے۔ اسی خیال کے تحت اُٹھ بیٹھے، بستر سے نکلے اور کچن کا رُخ کیا۔ چولہے پر پانی گرم ہونے کے لیے رکھا اور الماری کھول کر شہد کی بوتل نکالی۔

"ارے، یہ کیا! بوتل تو خالی ہے۔ یہ کیسے ہوا! مجھے تو کافی دن ہو گئے شہد کھائے ہوئے، یہ ختم کیسے ہو گیا؟" بڑبڑاتے ہوئے بوتل میز پر پٹخ دی، جھنجھلاتے ہوئے آگے بڑھ کر چولہا بند کیا۔

"یہ یقیناً پو میاں کی کارستانی ہے۔ وہ شہد کے دلدادہ ہیں۔ بھئی کھانا تھا، سو بار کھاتے، لیکن ختم ہونے پر ہمیں مطلع تو کر دیتے، ہم مزید شہد کا بندوبست تو کر لیتے۔" بھالو میاں نے دل ہی دل میں اپنے بھتیجے کو بے نقط سنائیں۔ یونہی بڑبڑاتے ہوئے برتن لیا اور شہد کی تلاش میں گھر سے نکل پڑے۔

"جانے یہ شہد اب کہاں سے ملے گا؟ اسکول کے لیے بھی دیر ہو رہی ہے، طبیعت بھی ناساز ہے۔ آج اسکول سے چھٹی کرنی پڑے گی۔" انھیں اب ہر شے پر غصہ آ رہا تھا۔

"ارے نہیں نہیں، چھٹی کرنا ممکن نہیں! آج تو بچوں کا ٹیسٹ ہے۔" اپنے خیال کی تردید کرتے ہوئے وہ جھنجھلا ہی اُٹھے۔ تیز تیز قدموں سے آگے بڑھنے لگے، عقابی نگاہیں شہد کی مکھی کی تلاش میں تھیں۔

"ارے منکو! مکھی بی کہاں ملے گی۔" بندر کو تیزی سے کیلوں کے جھنڈ کی طرف جاتے دیکھا تو پکار لیا۔

"پتا نہیں استاد جی!" وہ عجلت میں کہتا بھاگ گیا۔

"کیا ہوا کسے ڈھونڈ رہے ہیں؟" اپنی بھٹ سے نکل کر لومڑی نے سوال کیا۔

"وہ۔ میں مکھی بی کے متعلق پوچھ رہا تھا۔" بھالو نے تھکے تھکے انداز میں جواب دیا۔

"کیوں۔۔۔ کیا کام پڑ گیا مکھی بی سے؟" لومڑی کو تشویش ہونے لگی۔

"شہد لینا تھا، میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں، سوچا شہد کھا کر شاید بہتر ہو جائے۔" بھالو میاں لومڑی کی سوال کرنے کی عادت سے بہت عاجز تھے، بیزاری سے جواب دے کر مکھی کی تلاش میں نظریں اِدھر اُدھر گھمانے لگے۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں، اس کا مطلب ہے آج اسکول نہیں آئیں گے؟" لومڑی بی بے اختیار چیخ اُٹھی۔ لہجے سے خوشی جھلک رہی تھی۔

"طبیعت جیسی بھی ہو، آج بچوں کا ٹیسٹ ضرور ہو گا۔" بھالو استاد نے اس کے ہاتھ میں پکڑی کتاب پر ایک نگاہ ڈالتے ہوئے کاٹ دار لہجے میں کہا۔

لومڑی اپنا سا منھ لے کر رہ گئی۔

"اچھا، چلتی ہوں! اسکول کی تیاری بھی کرنی ہے۔" وہ منمنا کر اپنی بھٹ میں جا گھسی۔

بھالو میاں نے آگے کی راہ لی۔ دور ایک درخت پر شہد کا چھتہ نظر آ گیا، ان کے قدموں کی رفتار بڑھ گئی۔

"مکھی بی، بات سنو! مجھے تھوڑا شہد چاہیے۔" بھالو میاں نے آواز لگائی۔

کچھ لمحوں تک کوئی جواب نہ آیا تو دوبارہ پکارا! مگر مکھیاں جانے کہاں تھیں۔

بھالو میاں نے بنا اجازت کے ہاتھ بڑھا کر چھتہ اُچک لیا۔

"واہ بھئی! تازہ شہد کی بات ہی الگ ہوتی ہے۔" انھوں نے منھ کھولا ہی تھا کہ اچانک مکھیوں کا حملہ ہو گیا، وہ جانے کہاں سے نکل آئی تھیں۔

بھالو میاں کی چیخیں پورے جنگل میں گونجنے لگیں۔ لومڑی اپنی بھٹ سے نکل کر استاد جی کی طرف لپکی، منکو بھی ان کی آواز سُن چکا تھا، وہ کیلے چھوڑ کر بھاگا آیا۔ خرگوش میاں بھی اپنی گاجروں کو بھولے جائے وقوع کی طرف بھاگے، کچھ ہی دیر میں کافی جانور اکٹھے ہو گئے۔ بڑی مشکل سے بیچ بچاؤ کروایا گیا۔ مکھی بی کی کرم نوازی سے بھالو میاں مزید گول مٹول ہو چکے تھے۔ وہ گھاس پر بیٹھے اپنی قسمت کو کوس رہے تھے اور مکھیوں کو گالیاں دے رہے تھے۔

شیر و بادشاہ تک بھی خبر پہنچ گئی، وہ بھی تشریف لے آئے۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں۔۔۔؟ کس نے صبح سویرے میرے جنگل کے سکون کو تباہ کرنے کی جرات کی ہے؟" وہ آتے ہی دھاڑے۔

لومڑی نے ساری بات بادشاہ سلامت کے گوش گزار کر دی۔

"تھوڑا سا شہد ہی تو لینا تھا، مکھیوں نے میرے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔" بھالو میاں رو دینے کو تھے۔

"کہاں ہیں مکھیاں؟" شیر و بادشاہ کی تیز آواز جنگل میں گونجی۔

ملکہ مکھی کسی طرف سے نکل سہمے ہوئے انداز میں سامنے آ گئی۔

"بادشاہ سلامت! بھالو میاں کو بلا اجازت شہد کو ہاتھ نہیں لگانا چاہیے تھا۔"

"میں نے دو بار پکارا تھا، مگر تم نے کوئی جواب نہیں دیا۔" بھالو میاں کراہ کر رہ گئے۔

"ہم موجود نہ تھے، اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ آپ کو کھلی چھٹی ہے ڈاکا ڈال لیجیے۔" مکھی تیز لہجے میں بولی۔

"ایسا ڈاکا تو تمہارے ہاں ڈلتا ہی رہتا ہے، میں نے ڈال

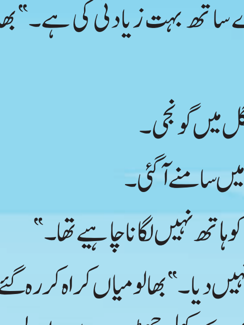

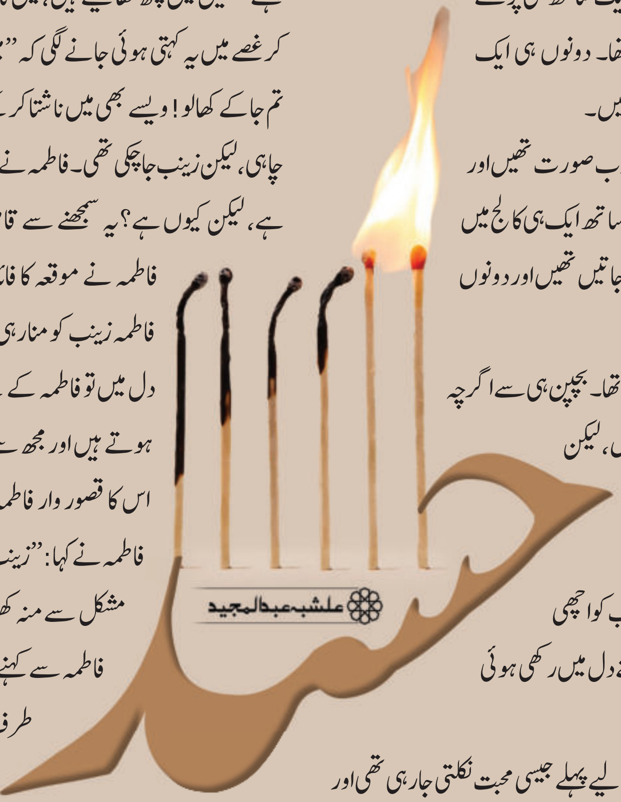


حدیث کا مفہوم ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

حسد ایسی بُری چیز ہے جو بھائی کو بھائی سے، دوست کو دوست سے اور بہن کو بہن سے جدا کر دیتا ہے۔ انسان جب حسد میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کی زندگی سے سکون ختم ہو جاتا ہے۔ زمین پر جو پہلا قتل ہوا، وہ حسد ہی کی وجہ سے ہوا تھا۔

اگر زندگی سکون والی گزارنی ہے تو دل سے حسد کو ختم کرنا ہوگا، عزّت دولت شہرت دینے والا اللہ ہے۔ ہم سب کو اُس کی تقسیم پر راضی رہنا چاہیے۔

زینب اور فاطمہ ہم عمر تھیں، کزن ہونے کے ساتھ ساتھ دونوں بہت اچھی دوست بھی تھیں۔

دونوں بچپن ہی سے ایک ساتھ کھیلتی کودتی اور ایک ساتھ ہی پڑھنے جاتیں تھیں۔ ان کا پورا بچپن ساتھ ہی گزرا تھا۔ دونوں ہی ایک دوسرے کے بغیر رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں۔

اب دونوں بڑی ہو گئیں تھیں۔ دونوں ہی بہت خوب صورت تھیں اور پڑھائی میں بھی بہت اچھی تھیں۔ دونوں نے ایک ساتھ ایک ہی کالج میں ایڈمشن لیا تھا۔ دونوں ہی کلاس کی ٹوپر میں شمار کی جاتیں تھیں اور دونوں کی دوستی ابھی بھی پکی اور سچی تھی۔

لیکن لوگوں کا دھیان زینب سے زیادہ فاطمہ پر ہوتا تھا۔ بچپن ہی سے اگرچہ دونوں خوب صورتی وپڑھائی وغیرہ میں برابر تھیں، لیکن اخلاق و آداب میں فاطمہ زینب سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ اس لیے لوگ زینب سے زیادہ فاطمہ سے بات کرنا پسند کرتے تھے اور بس یہی بات زینب کو اچھی نہیں لگتی تھی۔ یہی بات بچپن سے زینب نے اپنے دل میں رکھی ہوئی تھی جو اب حسد بننے کی طرف رواں دواں تھی۔

بس اسی وجہ سے اب زینب کے دل سے فاطمہ کے لیے پہلے جیسی محبت نکلتی جا رہی تھی اور نہ ہی زینب فاطمہ سے پہلے کی طرح ڈھیروں باتیں کیا کرتی تھی۔ اب تو اکثر زینب فاطمہ کے بغیر ہی کالج چلی جایا کرتی تھی، جب زینب کی امی کہتی رکو فاطمہ آتی ہوگی، اکیلی کالج مت جاؤ تو زینب کوئی بہانا بنا دیتی۔ کبھی کہتی مجھے اسائنمنٹ جمع کروانے ہیں، کبھی کہتی مجھے راستے میں کچھ کام ہے۔

فاطمہ کا انتظار کروں گی تو لیٹ ہو جاؤں گی۔ کوئی نہ کوئی بہانا بنا کر فاطمہ کو چھوڑ کر کالج چلی جاتی تھی۔ جب فاطمہ زینب کے گھر آتی اور زینب کا پوچھتی تو زینب کی امی بتاتی کہ وہ کالج جا چکی ہے۔

فاطمہ کہتی وہ مجھے چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہے؟ اور زینب کالج میں بھی فاطمہ کو اگنور کرنے لگی تھی۔ فاطمہ آگے سے کچھ کہتی تو سن لیتی، کوئی سوال کرتی تو جواب دے دیتی، بس اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔۔۔

زینب کا بدلا ہوا انداز فاطمہ کو پریشان کر رہا تھا۔ زینب ہر دفعہ فاطمہ کو چھوڑ کر کالج چلی جاتی، لیکن فاطمہ نے کبھی نہیں پوچھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے؟ کیوں کہ فاطمہ کا دل تو صاف تھا، وہ سمجھتی تھی کہ شاید زینب اپنی مصروفیت کی بنا پر جلدی چلی جاتی ہے، لیکن جب کافی دن اسی طرح زینب فاطمہ کو اگنور کرتی رہی تو فاطمہ کو تعجب ہوا۔

پھر ایک دن فاطمہ نے سوچا کہ میں کالج میں زینب سے بات کروں گی کہ وہ میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہی ہے؟ فاطمہ دوسرے دن کالج جلدی پہنچ گئی اور زینب کا انتظار کرنے لگی۔

کچھ دیر بعد زینب کو کلاس کی طرف جاتے دیکھا تو جلدی سے فاطمہ آگے بڑھی اور سلام کیا۔

زینب سلام کا جواب دے کر کلاس کی جانب بڑھی تو فاطمہ نے زینب کا ہاتھ پکڑ لیا اور خوش اخلاقی سے کہنے لگی: ”رکو! میں بھی تو کلاس میں ہی جا رہی ہوں، ساتھ چلتے ہیں، لیکن چلو پہلے کینٹین میں کچھ کھا لیتے ہیں، میں ناشتا نہیں کر کے آئی۔“ زینب فاطمہ سے ہاتھ چھڑا کر غصے میں یہ کہتی ہوئی جانے لگی کہ ”میں لیٹ ہو رہی ہوں، لیکچر شروع ہونے والا ہے، تم جا کے کھا لو! ویسے بھی میں ناشتا کر کے آئی تھی۔“ فاطمہ نے زینب سے مزید بات کرنی چاہی، لیکن زینب جا چکی تھی۔ فاطمہ نے اسے جاتے دیکھا تو سمجھ گئی کہ زینب مجھ سے ناراض ہے، لیکن کیوں ہے؟ یہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ اگلے دن اتوار تھا اور کالج کی چھٹی تھی۔

فاطمہ نے موقعہ کا فائدہ اٹھایا اور زینب کو منانے اُس کے گھر پہنچ گئی۔

فاطمہ زینب کو منا رہی تھی، لیکن زینب ناراض ہوتی تو مانتی نا، زینب کے دل میں تو فاطمہ کے لیے حسد پل رہا تھا کہ لوگ اس سے اتنا متاثر کیوں ہوتے ہیں اور مجھ سے نہیں ہوتے۔۔۔ اپنی کمی پر نظر کرنے کی بجائے اس کا قصور وار فاطمہ کو سمجھتی تھی اور فاطمہ ہنوز اسے منا رہی تھی۔

فاطمہ نے کہا: ”زینب! کم سے کم ناراضی کی وجہ تو بتاؤ۔“ زینب نے بڑی مشکل سے منہ کھولا اور منہ کھولتے فاطمہ کے لیے آگ بگولہ ہو کر فاطمہ سے کہنے لگی: ”تم لوگوں سے ایسا کیا کہتی ہو کہ لوگ میری طرف دیکھتے بھی نہیں ہیں۔“ فاطمہ زینب کی بات سنتے ہی حیرت کی وادی میں ڈوب گئی اور ٹک ٹکی باندھ کر اسے دیکھے جا رہی تھی۔

”زینب تمھیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، میں نے تو کسی سے کچھ نہیں کہا تمھارے بارے میں، تمھیں کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟“

”نہیں، مجھے کسی نے کچھ نہیں کہا۔ میں خود دیکھتی ہوں کہ لوگ تم سے بات کرنے کو ترجیح دیتے ہیں اور کالج میں بھی کسی کو کچھ سمجھنا ہوتا ہے تو وہاں بھی سب تمھارا ہی سہارا ڈھونڈتے نظر آتے ہیں، جبکہ ہم دونوں ہی پڑھائی میں اچھے ہیں۔ بتاؤ ایسا کیوں ہے؟“

فاطمہ زینب کو سمجھانا چاہ رہی تھی، لیکن زینب فاطمہ کی کوئی بات سننے کو تیار نہ تھی۔ بس اپنی بات ختم کی اور فاطمہ سے کہا کہ ”مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی، تم یہاں سے جاؤ۔“

جب فاطمہ نے زینب کو سمجھانا چاہا تو زینب وہاں سے اُٹھ کر چلی گئی۔

فاطمہ زینب سے مایوس ہو کر سیدھی اپنے گھر آ گئی۔ گھر آتے ہی اس نے سوچنا شروع کیا کہ آخر زینب کو ہوا کیا ہے، اسے کیسے منائے؟ بس انھی سوچوں میں گم نیندوں کی وادی میں جا

پہنچی۔ صبح جب فاطمہ کالج گئی تو کالج میں دیکھا کہ لوگ اس کے بارے میں عجیب و غریب باتیں کر رہے ہیں کہ فاطمہ ایسی لگتی تو نہیں ہے۔۔۔ فاطمہ دوستی کے قابل نہیں ہے۔۔۔ فاطمہ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، وغیرہ وغیرہ فاطمہ کو لوگوں کی باتیں سن کر اتنا اندازہ ہو گیا کہ ان سب سے زینب نے میرے بارے کچھ غلط کہا ہے، تبھی یہ سب میرے بارے میں ایسی باتیں کر رہے ہیں۔ اب بات فاطمہ کی برداشت سے باہر ہو گئی تھی۔ فاطمہ نے سوچا تھا کہ وہ آج زینب کو منالے گی، لیکن زینب نے آج تو حد ہی کر دی تھی۔ فاطمہ زینب کو تلاش کرتی کرتی کلاس میں پہنچی تو دیکھا کہ زینب کلاس میں موجود تھی۔ فاطمہ زینب کے پاس آئی اور کہنے لگی:

"زینب! آخر کب تک تم اپنے دل میں مجھ سے حسد رکھو گی، میں ہمیشہ تمہارے غلط رویّوں کو نظر انداز کرتی رہی، تمہیں مناتی رہی، لیکن آج تو تم نے ساری حدیں پار کر دیں۔"

زینب نے کہا کہ "تم غلط کہہ رہی ہو، میں تم سے کوئی حسد نہیں رکھتی۔"

"فاطمہ نے کہا: تم یہی چاہتی ہو نا کہ سب مجھ سے متنفر ہو جائیں اور تمہیں اچھا کہیں، یہ حسد نہیں تو اور کیا ہے؟ تم میری دوست ہو، اس لیے میں تمہیں سمجھا رہی ہوں۔ دیکھو زینب! سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہے عزّت دے، جسے چاہے ذلیل کرے، اگر لوگ ایک شخص سے زیادہ خوش ہوں اور دوسرے سے ناخوش تو اس میں پہلے والے کو قصوروار ٹھہرانے سے بہتر ہے کہ دوسرا والا خود اپنی خامیوں پر نظر کرے کہ مجھ میں کیا خامی ہے نہ کہ دوسروں سے حسد کرتا پھرے۔۔۔" فاطمہ اور زینب کی یہ ساری باتیں وہاں موجود سب لوگ سن رہے تھے۔ فاطمہ اپنی بات کہہ کر کلاس سے جا چکی تھی، جبکہ زینب کلاس ہی میں تھی۔ لوگ زینب کے بارے میں باتیں بنانے لگے کہ زینب، فاطمہ سے حسد کرتی ہے، اس لیے فاطمہ کے بارے میں غلط باتیں کہیں اور ہم فاطمہ کو غلط سمجھ رہے تھے۔ زینب اب خاموشی سے سب کی باتیں سُن رہی تھی کہ کہ لوگ اب اسی کو بُرا کہہ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد جب زینب کلاس سے باہر نکلی تو دیکھا لوگ فاطمہ سے معافی مانگ رہے ہیں "ہمیں معاف کر دو، ہم نے تمہارے بارے میں غلط سوچا۔" زینب آنکھیں پھاڑے فاطمہ کو دیکھ رہی تھی کہ فاطمہ اپنی عادت کے مطابق اچھے اخلاق سے ایسے باتیں کر رہی ہے، جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ یہ دیکھ کر زینب نے شکست خوردہ قہقہ لگایا اور سوچنے لگی کہ مکافات گول دائرے کی طرح ہے اور لوگ اس میں گھومتے ہیں، جو کسی کے ساتھ برائی کرتا ہے، یقیناً اُس کے ساتھ بھی برا ہوتا ہے، جیسے میں نے حسد کیا۔ میں فاطمہ کو سب کی نظروں میں گرانا چاہتی تھی، لیکن میں خود ہی سب کی نظر میں بری بَن گئی۔

حسد کا رنگ پسندیدہ رنگ ہے سب کا
یہاں کسی کو کوئی اب دعا نہیں دیتا

بقیہ

# بھالو میاں اور مکھی بی

لیا تو کون سی قیامت آ گئی۔" بھالو میاں چمک کر بولے۔

"یہ بات آپ کی مجھے بالکل پسند نہیں آئی استاد جی!" ہرنی قریب چلی آئی۔

سب نے حیرانی سے ہرنی کی طرف دیکھا۔

"آپ ہمیں جو سبق پڑھاتے ہیں، خود اس پر عمل نہیں کرتے؟"

"قرآنِ پاک کی سورۂ صف میں ہے کہ "اللہ کو سخت ناپسند ہے، تم وہ کہو جو (خود) کرتے نہیں۔" ہرنی بھالو استاد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بول رہی تھی۔

"ابھی کل ہی تو آپ نے ہمیں یہ سبق پڑھایا، کسی کی چیز بنا اجازت استعمال کرنا گناہ ہے۔ آج آپ خود یہ سبق بھول گئے؟" منکو جی نے حیرت و تأسف سے پوچھا۔

بھالو میاں آنکھیں پھاڑے سب کو دیکھ رہے تھے۔

"آج اسی سبق کا تو ٹیسٹ تھا۔" لومڑی نے لقمہ دیا۔

کیا آپ جانتے ہیں! حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن ایک آدمی کو لایا جائے گا اور اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا، پھر اس کی آنتیں باہر نکل آئیں گی اور وہ ان کے گرد اس طرح چکر کاٹے گا جیسے گدھا چکی کے گرد چکر کاٹتا ہے تو جہنمی لوگ اس کے پاس جمع ہو کر کہیں گے: "اے فلاں! کیا تم ہمیں نیکی کا حکم نہیں دیتے تھے اور برائی سے نہیں روکتے تھے؟" وہ کہے گا: "ہاں! میں تمہیں نیکی کا حکم دیتا تھا، لیکن خود نہیں کرتا تھا اور تمہیں برائی سے روکتا تھا، لیکن خود اسے کرتا تھا۔"

"آپ استاد ہیں یہ حدیث آپ کے علم میں ہو گی۔ کیا آپ نے کبھی اپنا محاسبہ کیا؟" ہاتھی میاں نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

بھالو استاد کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، انھوں نے کبھی اس نہج پر سوچا ہی نہ تھا۔ ان کا سر شرم سے جھک گیا، آنکھوں میں ندامت کے آنسو چمکنے لگے۔ شیر و بادشاہ خاموشی سے عدالت لگی دیکھ رہے تھے، انھیں فخر محسوس ہو رہا تھا کہ انھوں نے جنگل میں جس کے لیے تعلیمی ادارہ قائم کیا، وہ مقصد بخوبی پورا ہو رہا ہے۔ اچھے بُرے کا شعور پیدا ہو رہا ہے۔ طاقتور کے ہاتھ سے لاٹھی گر چکی ہے، اب صرف انصاف کا بول بالا ہو گا۔

"چلیے استاد جی! آپ مکھیوں سے معافی مانگیے اور آئندہ ایسا گناہ کرنے سے توبہ کیجیے۔" شیر و بادشاہ ایک استاد کو مزید اس حالت میں دیکھ نہیں پائے تو مصالحت کروانے کے لیے آگے بڑھے۔

استاد جی نے فوراً ہاتھ جوڑ دیے، زبان گنگ تھی۔ نمناک آنکھیں زمین میں گڑھی جا رہی تھیں۔

"ہم نے کھلے دل سے معاف کیا۔" تمام مکھیاں ایک کورس میں بولیں۔

"بہت شکریہ ملکہ مکھی! یہ تمہارا بڑا پَن ہے۔" شیرو نے استاد جی کی طرف سے اس کا شکریہ ادا کیا۔

استاد جی کی طبیعت کے پیشِ نظر شیر و بادشاہ نے ایک ہفتے کے لیے اسکول سے چھٹی کا اعلان کر دیا۔ سب بچوں نے جوش سے نعرہ لگایا، اس نعرے میں سب سے اونچی آواز لومڑی کی تھی۔

# بیت السلام لیبارٹری اینڈ ڈائیگناسٹک سینٹر

BAITUSSALAM

## اپنی نوعیت کی منفرد اور معیاری لیبارٹری

- او پی ڈی
- ایکسرے
- الٹرا ساؤنڈ

اور تمام اقسام کے تشخیصی ٹیسٹ دستیاب ہیں

- ہیماٹولوجی
- کیمیکل پیتھالوجی
- مائکروبایولوجی
- مالیکیولر پیتھالوجی / پی سی آر
- امیونولوجی اور سیرولوجی

## مناسب قیمتوں میں

## مستحقین زکوۃ کیلئے مفت ٹیسٹ کی سہولت

خدمت، عزت اور احترام کے ساتھ

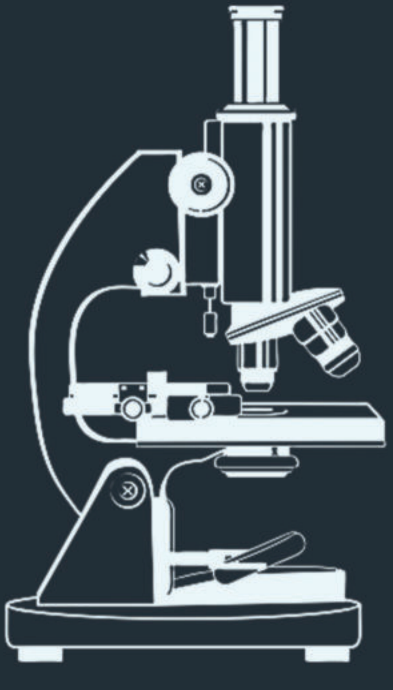

## برائے رابطہ

+92 21 35392634

+92 334 2982988

lab@baitussalam.org

شوروم نمبر 01، گراؤنڈ فلور، رائل ٹاورز مین کورنگی روڈ، نزد قیوم آباد چورنگی PSO پمپ سے متصل کراچی۔

# محبت کی آب یاری

فریحہ معراج

"امی! آپ کیسے ہر ایک سے اتنی محبت سے بات کر لیتی ہیں؟" ثنا نے اپنی امی سے پوچھا۔

"وہ کتنے اُکھڑے ہوئے لہجے میں آپ سے بات کر رہی تھی، لیکن آپ کے ماتھے پر ذرا شکن نہیں ابھری۔" ثنا کے لہجے میں جمعدارنی کے لیے ناگواری تھی اور ماں سے شکوہ بھی۔ یہ پہلی بار نہیں تھا کہ ثنا کو اپنی والدہ ثریا بیگم سے اس بارے شکایت ہوئی ہو، اسے ہمیشہ لگتا تھا کہ وہ لوگوں کو ان کے مزاج کے مطابق نہیں برتتی تھیں اور اس طرح لوگ سر پر چڑھ جاتے تھے۔

"بیٹی! ہر شخص اپنے حالات کا ستایا ہوا ہوتا ہے۔ کہیں کی اُلجھن، جھنجھلاہٹ کہیں اور نکال رہا ہوتا ہے۔ ہماری خوش خلقی یا ایک ذرا سی مسکراہٹ ہمارے لیے ہرگز بار ثابت نہیں ہوتی، لیکن دوسرے کے لیے ایک فرحت بخش تجربہ ضرور ہو سکتا ہے۔" ثریا بیگم بولیں۔

"ہاں! لیکن ہم نے ذمہ تو نہیں لیا ہوا سب کی ناز برداریوں کا۔" ثنا بدستور الجھے ہوئے مزاج کے ساتھ بولی: "سبھی کے مسائل ہوتے ہیں، جو جس طرح کے برتاؤ کا مستحق ہو، اسی طرح بات کی جانی چاہیے، تاکہ اگلا تمیز کے دائرے میں رہے۔"

"ایسے تو سب ایک دوسرے سے لڑتے ہی رہیں گے۔ کوئی بھی درگزر کا مظاہرہ نہیں کرے گا اور میرا یہ ماننا ہے کہ خوش اخلاقی اور درگزر کبھی رائیگاں نہیں جاتے۔ ثریا بیگم بولیں اور ہمارے سامنے تو پیارے نبی ﷺ کی خوش اخلاقی کی ایک سے بڑھ کر ایک مثال موجود ہے۔ اگر وہ لوگوں کے ساتھ ان کے رویوں کے مطابق پیش آتے تو اسلام کا خوب صورت عکس دنیا کے سامنے لانا ممکن نہ تھا۔" ثریا بیگم نے بات ختم کی۔

ثنا سر جھکائے تکیے کا کنارا مروڑتے ہوئے بولی: "آپ نہیں سمجھیں گی امی! بہت تکلیف دہ ہوتا ہے جب لوگ بدتمیزی سے بات کرتے ہیں۔"

"اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے: اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ اور بے شک آپ (ﷺ) اخلاق (حسنہ) کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں۔" ثریا بیگم نے قرآن کا حوالہ دیتے ہوئے کہا: "آپ ﷺ نے جس قدر زمانے کی تلخیاں اور لوگوں کی کج روی برداشت کی، اس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نرم خوئی اور خندہ پیشانی کا مظاہرہ کرتے رہے۔" ثنا کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے ثریا بیگم نے گفتگو ختم کرنا مناسب سمجھا۔

"نماز پڑھ کر دونوں مل کر چائے پیتے ہیں۔" وہ بشاشت سے کہتے ہوئے وضو کرنے چلی گئیں۔

"خالہ! کوئی آ رہا ہے کیا؟" ثنا اسکول سے آ کر سو گئی تھی۔ اب اُٹھ کر باورچی خانے میں آئی تو غیر معمولی ہلچل محسوس کرتے ہوئے اس نے گھر میں مدد کے لیے موجود خالہ سے استفسار کیا۔

"جی بیٹیا! آ نہیں رہے بلکہ آ چکے ہیں۔ آپ کے تایا اور تائی جان!" ثنا خالہ کی بات ادھوری چھوڑ کر مہمان خانے کی طرف بھاگی۔ آخر کو اس کی سب سے پیاری تائی جان آئی تھیں۔ وہ بھی اس پر جان چھڑکتی تھیں۔ ثریا بیگم نے ہمیشہ کی طرح عشائیہ تک رکنے کے لیے اصرار کیا اور خوب تواضع کی۔ ثنا نے صدقے واری جانے والے تایا اور تائی کے ساتھ بھرپور وقت گزارا۔

"کتنی اچھی ہیں نا تائی جان۔" ثنا نے ان کے لائے ہوئے تحفے محبت سے دیکھتے ہوئے کہا تو خالہ کی مدد کرتی ہوئی ثریا بیگم زیرِ لب مسکرا دیں۔

"خالہ! اب آپ گھر جایئے۔ باقی کام میں اور ثنا نبٹا لیں گے۔" ثریا بیگم نے کام کی زیادتی کے باعث خالہ کا خیال کرتے ہوئے کہا۔

"امی! آپ آرام کریں، میں اور خالہ فٹافٹ کام سمیٹ لیں گے۔" ثنا نے خوش گواری کے ساتھ کہا۔

"اچھا! میں نماز پڑھ لوں پہلے، تب تک تم خالہ کی مدد کر دو، پھر باقی کا کام ہم دونوں کر لیں گے۔" ثریا بیگم نماز میں تاخیر کی وجہ سے بھی فکرمند تھیں۔

"بٹیا! سارے رشتے بنے بنائے نہیں ملتے، محنت کرنی پڑتی ہے، جیسے تمہاری ماں نے کی۔ آج دیکھ لو اس کی اولاد بھی ثمر پا رہی ہے۔" خالہ نے محبت آمیز لہجے میں ثریا بیگم کی عدم موجودگی میں ان کو سراہا۔

ثنا نے متذبذب انداز میں ان کی طرف دیکھا گویا وہ ان کی بات نہیں سمجھ سکی تھی۔

"یہ رشتے دار ہمیشہ سے اتنے مہربان نہیں تھے۔ جب تمہاری ماں بیاہ کر آئی تھیں تو حالات ایسے موافق نہ تھے۔ بری بھلی سب کی برداشت کی، لیکن کبھی بدخوئی نہیں کی۔ کبھی زبان درازی نہیں کی۔ ہمیشہ کھلے دل کے ساتھ سب کو نظرانداز کیا۔" سالوں سے ساتھ رہتی آئی خالہ ماضی کے اوراق پلٹنے لگیں۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ سب تو اتنے پیار سے ملتے ہیں اور امّی نے بھی تو کبھی ایسی کسی بات کا اظہار نہیں کیا۔" ثنا کا ورطۂ حیرت میں جانا فطری تھا۔ اس نے اپنی ماں سے کبھی کسی رشتے دار کے بارے میں منفی باتیں نہیں سنی تھیں۔

"یہ سب ثریا کے صبر کا پھل ہے۔ اب تو سب اس کے گُن گاتے ہیں۔ اس نے بھی کبھی کسی کو پرانی بات کا طعنہ نہیں دیا، لیکن ایک کٹھن وقت دیکھا ہے اس نے۔" خالہ نے کام سمیٹتے ہوئے کہا۔

ثریا بیگم واپس آئیں تو خالہ جا چکی تھیں۔ ثنا خاموشی سے صوفے پر سمٹی ہوئی بیٹھی تھی۔ ماں کے پکارنے پر سر اٹھایا تو آنسوؤں بھرا چہرہ دیکھ کر ثریا بیگم تڑپ گئیں۔

"آپ نے ہمیں کبھی بتایا کیوں نہیں کہ آپ کن اذیتوں سے گزری ہیں؟ ہمیشہ دوسروں کے

# ایک اچھی روایت

نفیسہ سعید

کچھ روز قبل میں نے اپنی ایک دوست کی بیٹی کی ایسی شادی میں شرکت کی جو عام روایتی شادیوں سے بالکل مختلف تھی۔ یہ بچی عائشہ ایک عالمہ ہے جو کسی بڑے دینی ادارے سے منسلک ہے۔ اس کی شادی کی پہلی شرط جہیز نہ لینا تھی، جس پر وہ سختی سے کاربند رہی۔ عائشہ کے دولہا احمد بھی ایک دین دار انسان ہیں، لہٰذا انھوں نے بھی ہر معاملے میں عائشہ کا مکمل طور پر ساتھ دیا۔

عائشہ کی سادہ سی شادی کسی بھی قسم کے رسم و رواج سے مبرا تھی۔ شادی سے دو دن قبل گولف کلب میں درسِ قرآن کا اہتمام رکھا گیا، جس میں تمام رشتہ دار اور دوست خواتین مدعو تھیں۔ مردوں میں صرف محرم مرد حضرات تھے، جن کی نشست الگ تھی۔ باپردہ عائشہ استقبالیہ پر موجود تھی، یہاں تک کہ درسِ قرآن میں بھی اس نے حصہ لیا۔ خواتین ویٹرز نے کھانا سرو کیا جو ہر لحاظ سے بہترین تھا۔ مجھے عائشہ کی والدہ حریم بتا چکی تھیں کہ نکاح عصر کے بعد مسجد میں ہے، جس کے بعد بارات کے چند لوگ اور خاندان کے کچھ افراد کو گھر پر چائے پلا کر بچی رخصت کر دی جائے گی، البتہ تقریبِ ولیمہ میں آپ سب فیملی سمیت دولہا والوں کی جانب سے مدعو ہیں، چوں کہ میرا ولیمے میں جانے کا کوئی ارادہ نہ تھا، اس لیے دلہن کو تحفتاً دینے کے لیے کچھ رقم لفافے میں ڈال لائی تھی، جو ہر گز اس کھانے یا خلوص کی قیمت نہ تھی جو مجھے ہمیشہ عائشہ اور حریم سے ملا، لیکن یہ محبت بھرا لفافہ دیتے وقت عائشہ کے الفاظ نے مجھے ایک بار پھر سے چونکا دیا۔

سوری آنٹی! شاید امی نے آپ کو بتایا نہیں ہے کہ میں نے اپنی شادی پر سب کو کسی بھی قسم کی رقم دینے سے منع کر دیا تھا، کیوں کہ میرے پاس سب کچھ ہے، مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں، سوائے آپ سب کی دعاؤں کے یہ الفاظ سن کر میں سمجھ نہ پائی اسے کیا جواب دوں، تب عائشہ کا ساتھ دیتے ہوئے حریم نے بتایا:

ہم نے اس درسِ قرآن میں جو اہتمام کیا وہ اپنی بیٹی کی خوشی کی خاطر کیا ہے، یہاں تک کہ اس نے جہیز اور بارات کا کھانا بھی منع کر دیا اور اس تمام عمل میں میرا داماد بھی اس کے ساتھ شامل ہے، جس نے عائشہ کی ضرورت کا تمام سامان خود خریدا ہے۔ فی الحال تو وہ دونوں کسی سے کچھ نہیں لیں گے، البتہ شادی کے بعد شاید وہ کوئی تحفہ قبول کر لیں، مگر اس موقع پر وہ تمام فرسودہ رسومات سے ہٹ کر اپنی خوشی منانا چاہتی ہے۔

حریم کی یہ بات سن کر مزید بحث کی گنجائش باقی نہ رہی تھی، اس لیے میں نے یہ سوچ کر لفافہ اپنے کلچ میں واپس رکھ لیا کہ اس رقم سے عائشہ کو بعد میں کوئی تحفہ دے دوں گی۔

حقیقت میں عائشہ کے ان اقدامات نے مجھے بہت متاثر کیا اور پچھلے دو دنوں سے میں یہ ہی سوچ رہی ہوں، ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو عائشہ اور احمد جیسی سوچ رکھتے ہیں؟ کتنے لوگ ہیں جو اپنی سوچ پر عمل کروانے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں؟

المیہ یہ ہے کہ ہم دو اور دو چار کرنے والے لوگ ہیں جو دیکھتے ہیں شادی میں آنے والا کیا دے کر گیا اور بدلے میں کتنا کھایا اور کتنے افراد ساتھ لایا (یہاں لوگوں کے عمومی رویہ کا ذکر ہے) ایسے میں عائشہ کا خاندان میرے لیے قابلِ تحسین تھا، جہاں ولیمے میں بھی لفافہ منع تھا۔

شاید ہم میں سے دو، چار لوگ ہی ایسے ہوں گے جو اتنا ظرف رکھتے ہوں کہ بنا جہیز اور بارات کے کھانے کے لڑکی رخصت کروا لیں، ورنہ اکثریت یہ سب کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتی، بلکہ بیٹی کے والدین ہی بیٹی اسے بنا جہیز کے رخصت کرنے کا تصوّر نہیں کر سکتے اور ایسے والدین میں ہم اور آپ سب شامل ہیں۔

عیبوں کی پردہ داری کی۔ خالہ نہ بتاتیں تو مجھے ان رشتوں کی اصلیت کبھی پتا نہ چلتی۔" ثنا نے رندھی ہوئی آواز میں بات مکمل کی۔

ثریا بیگم بات کی تہ تک پہنچ چکی تھیں۔ بیٹی کا ماتھا چوما اور بولیں: "تم جن باتوں پر رو رہی ہو، ان کو بیتے مدتیں ہوئیں۔ جب ہم اللہ کے لیے معاف کرنا سیکھ جاتے ہیں تو کوئی کام مشکل نہیں رہتا۔ جیسے مجھ سے محبت نے تمھیں ان باتوں پر رونے پر مجبور کر دیا جو تم پر گزری بھی نہیں۔ اللہ کی رضا کا حصول ساری کلفتیں مٹا دیتا ہے۔" ثریا بیگم ثنا کو اپنے ساتھ لگائے رسان سے بات کرتی جا رہی تھیں۔

"خوش خلقی، نرم خوئی ایک دن میں طراوت نہیں دکھاتی، اس کا دامن تھامے رکھنا پڑتا ہے۔ بلا شبہ یہ ایک خار دار راستہ ہے، جہاں لوگ خشک زمین کی مانند ملتے رہیں گے۔ نرم مزاجی اور محبت کی آب یاری سے انھیں ہرا بھرا کیا جا سکتا ہے۔ ہر روز وہی شخص گزشتہ روز کی خوش مزاجی کے بعد بھی خشک لگے گا، جیسے پودا روز پانی کے بعد بھی مزید پانی کا طلب گار ہوتا ہے۔ دنوں، مہینوں اور سالوں کی مشقّت کے بعد کہیں پھل ملنا شروع ہوتا ہے۔"

ثنا کے آنسو تھم چکے تھے۔ ثریا بیگم نے مختصر وقفے کے بعد بات جاری رکھی: "در گزر کرنا، لوگوں سے نرمی سے پیش آنا جنّت میں لے جانے والے اعمال ہیں۔ اسی طرح مسلسل اچھا رویّہ دوسروں کو بھی بدلنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ یاد ہے اس روز تم ایک بھلا سا شعر پڑھ رہی تھی: "جو پتھر پہ پانی پڑے متّصل"

"تو بے شبہ گِھس جائے پتھر کی سِل" ثنا نے دوسرا مصرع پڑھ کر شعر مکمل کیا تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھی مسکرانے لگے۔

# بھنور

راحیلہ خان ایڈووکیٹ

لختِ جگر کی روتی ہوئی آواز نے نور کو متوجہ کیا، وہ فوراً ہی موقع پر پہنچی تو پتا چلا کہ اس کے سات سالہ بیٹے علی نے آج ماموں زاد حمزہ سے اس کی نئی برینڈ جیکٹ پہننے کے لیے مانگی، جو کل ہی لندن سے اس کے ماموں اور حمزہ کے پاپا نے بھیجی تھی۔ ماموں نے دیگر چیزیں بھی بھیجی تھی، مگر ممانی کا کہنا تھا کہ صرف جیکٹ اور پہننے کے لیے ایک دو چیزیں ہیں، جو سب حمزہ کے ناپ کی ہیں۔ علی اور اس کی خود دار ماں کی کچھ مانگنے کی عادت نہیں، مگر اِس بار اس جیکٹ پر علی کا ایسا دل آیا کہ اس نے تھوڑی دیر کے لیے مانگ لی، آخر وہ بھی ابھی معصوم بچہ تھا اور اس وقت حد ہی ہوگئی جب علی کے جیکٹ واپس نہ کرنے پر ممانی نے ایک تھپڑ ہی مار دیا، یہی ممانی کبھی بہت آؤ بھگت کرتی تھی، جب علی کی ماں نے اس کے پاپا سے خلع نہیں لیا تھا۔ وہ بھی اس گھر میں بہت عزت سے آتا اور ہر چیز اس کے آگے پیش کی جاتی، یہی ممانی یو۔کے سے آئے تحائف علی کو دیتی، مگر یہ سب گئے وقتوں کی بات بن کر رہ گئی تھی۔

نور اور عمران کی شادی شدہ زندگی پر لوگ رشک کرتے۔ دونوں کی جوڑی مثالی تھی، پھر جیسے کسی کی نظر لگ گئی۔ نور کو سارا دن گھر داری سے فرصت نہ ملتی تھی، سارا دن کام اور پھر پڑوسیوں، دوستوں سے گھنٹوں گپ شپ، عمران جیسے ہی گھر آتا، اس سے طرح طرح کی فرمائشیں۔ تھکے ہارے عمران کو ان باتوں سے چڑ ہوتی، کیوں کہ وہ ساری کمائی نور کے آگے رکھتا تھا، صرف اپنی ضرورت کے معمولی پیسے لیتا، لیکن شاہ خرچ نور کو وہ بہت کم لگتے۔ شاید ہی نور نے عمران کی متناسب سیلری کو ایک ماہ پورا چلایا ہو۔ دوسرا بڑا مسئلہ یہ بھی تھا کہ نور بچے کی پیدائش کے بعد اپنی طرف سے لاپرواہ ہوگئی تھی، جب بھی عمران گھر آتا نور کا حلیہ ماسیوں سے بھی خراب ہوتا۔ عمران کی ہمت ہی نہ ہوتی کہ وہ کوئی بات بھی نور سے کر سکے۔ اوپر سے نور نے تعلیم تو یونیورسٹی لیول کی حاصل کی تھی، مگر دانش مندی جیسے اسے چھو کر بھی نہیں گزری تھی۔ عمران کسی مشکل میں شاید ہی اس سے کوئی مشورہ کر پاتا ہو۔

ان سارے مسائل میں عمران کی دوستی آہستہ آہستہ اپنی آفس کولیگ سے ہوگئی جو کہ غیر محسوس انداز میں بڑھتی گئی۔ جب تک نور کو اندازہ ہوا پانی کافی سر سے اونچا ہو چکا تھا۔ اس کے بعد نور کو جس دانش مندانہ انداز میں اس معاملے کو سلجھانا چاہیے تھے، وہ نہ ہوا۔ کیوں کہ نور لڑ جھگڑ کر سیدھا میکے جا بیٹھی اور ماں کے لاکھ منع کرنے کے باوجود خلع کا کیس دائر کر دیا۔ فیملی والوں کے دباؤ اور علی کو دیکھتے ہوئے عمران نے معافی تلافی کی کافی کوششیں کی، خاندان کے معزّزین نے بھی مصالحت کرانی چاہی، مگر نور کی انا مجروح ہوئی تھی۔

اب وہی نور ماں کے گھر میں دوسرے درجے کا شہری بن کر رہ گئی تھی۔ شروع شروع میں بھابھی نے خاموشی رکھی، مگر پھر ”کمرے کم ہیں، سامان بہت ہے“ وغیرہ کا بار بار بول کر نور کو گھر کی اوپری منزل میں شفٹ کروا دیا۔ سالوں سے بند اس کمرے میں شروع شروع میں علی روز ڈر جاتا، گرمیوں میں چھت تپ کر تنور بن جاتی، واش روم غیر مرمت یافتہ تھا، مگر اب نور کو گزارا کرنا تھا۔ عمران ہر ماہ اپنے بیٹے کا جیب خرچ اور اسکول فیس دیتا تھا، مگر اس کے باوجود بھی کئی اخراجات تھے۔ بھابھی سے زیادہ اُمید نہیں تھی۔ ایک دو بار بھائی سے مانگے، جیسے ہی بھابی کو پتا چلا لڑائی جھگڑوں کا طوفان آ گیا۔ بھلا بھابی یہ کیسے برداشت کرتی کہ شوہر کی کمائی میں نور کو بھی شریک کیا جائے۔

اب نور کے پاس ایک ہی راستہ تھا کہ وہ نوکری کرے، ویسی ہی نوکری جیسے کرنے والیوں کو اس نے خراب الفاظ سے نوازا تھا۔ اب سب نور کی مجبوری بن گئی تھی۔ صبح سے شام تک مصروف نور جب گھر پہنچتی تو علی بھوک سے نڈھال ہوتا۔ دوسرا ممانی نے علی کو بار بار نیچے آنے سے بھی روک دیا تھا کہ حمزہ اور اس کے چھوٹے بہن بھائیوں سے لڑائی ہو جاتی ہے، اس لیے تم اوپر ہی رہو۔ نور کو یہ سب کچھ خاموشی سے برداشت کرنا پڑ رہا تھا کیوں کہ اب اس کی والدہ بھی زندہ نہیں رہی تھی۔ کاش! وہ ان کی بات مان جاتی اور اپنا گھر بچا لیتی۔ عمران نے اب اسی کولیگ سے شادی کر لی تھی۔ جب کہ نور کے لیے کبھی کبھار زائد عمر اور بچوں والوں کے رشتے آتے۔ نور کے لیے ان میں سے کوئی رشتہ قبول کرنا بہت مشکل تھا کہ آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا والی بات نہ ہو جائے۔ چاہنے اور خیال رکھنے والے شوہر کی ناقدری کے نتیجے میں نور ایک ایسے بھنور میں پھنس گئی تھی، جس سے نکلنے کے لیے نور کو کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا۔۔۔

عالمی ادارہ

# بیت السلام

ویلفیئر ٹرسٹ

BAITUSSALAM

# 2200+

## یتیم بچے زیرِ کفالت

رہائش، خوراک، تعلیم و تربیت

Saiban

FOR ORPHANS

BAITUSSALAM

موبائل کی بپ سے سوچوں میں ڈوبے ضمیر احمد ایک دم چونک کر سیدھے ہوئے۔

”اس وقت کس کی کال ہو سکتی ہے؟“ خود کلامی کے انداز میں بولے اور کال ریسیو کرلی۔

”آپ ضمیر احمد ہیں؟“ دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

”جی میں ضمیر احمد بول رہا ہوں۔“

”فوراً ماڈل ٹاؤن تھانے پہنچ جائیں۔“ پوری بات سنے بنا دوسری طرف سے اطلاع دیتے ہی کال منقطع کردی گئی۔

وہ خدشات میں گھرے کتنی دیر موبائل ہاتھ میں لیے بیٹھے رہ گئے۔

❖❖❖

”دیکھیں بزرگو! میں اس طرح کسی کے گھر والوں کو زحمت نہیں دیتا۔ اس طرح کے کیس ہینڈل کرنا ایس ایچ او مولا بخش کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔“ ایس ایچ او نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا۔

”مگر اس کے چہرے مہرے سے لگتا ہے کہ کسی شریف گھرانے کا بگڑا بچہ ہے، اسی لیے آپ کو اتنی رات گئے زحمت دی۔ ایسے کاکے تو میرے ایک لتر کی مار نہیں، فرفر وہ وارداتیں بھی قبولتے ہیں جو انھوں نے کی ہی نہیں ہوتیں۔ آئیں! میں آپ کو دکھاتا ہوں اس نے اپنے یاروں کی کیا حالت کی ہے، جس محلے میں یہ کرائے پر کمرا لے کر رہ رہے تھے، اِدھر کے لوگوں کی شکایت پر ہم نے چھاپہ مارا۔ یہ اپنے سے دُگنی طاقت کے لڑکوں کی درگت بنا رہا تھا۔ محلے والوں کا کہنا ہے کہ انھوں نے دو مہینے پہلے اس علاقے میں کمرہ کرائے پر لیا تھا۔ آئے دن شراب پی کر غل غپاڑہ مچاتے اور آس پاس کے رہنے والوں کو پریشان کرتے۔“

”کیوں بھئی کاکے! کیوں مارا تو نے انھیں؟“ ایس ایچ او نے بات کرتے کرتے ایک کونے میں سر جھکائے کھڑے عاطف سے پوچھ لیا۔

”وہ جج... جج... جی... میری امی کے متعلق...“

”لعنت تیری غیرت پہ... اوئے! یہ غیرت تب کدھر تھی، جب ماں کا زیور بیچ بیچ کر یاروں کو عیش کرا رہا تھا؟ تب کیا اس غیرت نے بھنگ چڑھائی ہوئی تھی؟“ ایس ایچ او عاطف کی پوری بات سنے بنا ہی غصے میں آ گیا۔ ”میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں، آپ اسے چھوڑ دیں۔ اس کی ماں اس کی جدائی میں بستر سے لگ گئی ہے۔ وہ یہ بھی بھول گئی ہے کہ اس کا لاڈلا گھر میں نقب لگا گیا ہے۔ بس یاد ہے تو یہی کہ عاطف آ جائے کہیں سے۔“ ضمیر احمد نے ایس ایچ او کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

”او بزرگو! نہ کرو بئی... “ ایس ایچ او نے بڑھ کر ضمیر احمد کے بندھے ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

”اس ناخلف کو سزا ملنی ہی چاہیے۔ بڑے بوڑھوں سے سنتے آئے ہیں کہ بچوں کو سونے کا نوالہ دو تو شیر کی آنکھ سے دیکھو بھی۔“ تھانے دار کی بات ضمیر احمد کو زمین میں زندہ گاڑنے کو کافی تھی۔ نظریں بے اختیار عاطف کی جانب اُٹھ گئیں۔ کیا نہیں تھا ان نظروں میں؟ بے بسی... غصہ... ملامت... خود ترسی... بڑھاپے پر ترس کھانے کی التجا!!

# واپسی

تنزیلہ یوسف

❖❖❖

”بابا! مجھے یہ والی گاڑی چاہیے۔“ پانچ سالہ عاطف نے میگزین کی ایک تصویر پر ہاتھ رکھ دیا۔

”عاطف بیٹا! میں آپ کو کوئی اور کھلونا لے دوں گا، یہ بہت مہنگی گاڑی ہے۔“ ضمیر احمد نے بیٹے کو پیار سے سمجھایا۔

”لے دیں نا، وہ اگر پہلی بار کچھ مانگ رہا ہے تو...“ صفیہ نے بیٹے کی حمایت کی۔

”میں اس کی ساری ضروریات پوری کرتا تو ہوں، پھر بھی آپ کہتی ہیں کہ پہلی بار کچھ مانگا ہے۔“ ضمیر احمد کو حقیقتاً بیوی کی سوچ پر دکھ ہوا تھا۔

”اور پہلی بار آخری بار تو نہیں ہوتی نا! ایک بار، جا کے ساتھ بے جا کا در کھل جائے تو بند کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہی عمر ہے، اسے جیسے سمجھائیں گے تو یہ معصوم سمجھ جائے گا۔“

”آپ بھی نا، حد کرتے ہیں۔ ایک کھلونا گاڑی ہی تو مانگی ہے کوئی تارے توڑ لانے کو تو نہیں کہا نا!“ صفیہ دور اندیش نہیں تھی بلکہ حال میں رہ کر مستقبل برباد کرنے والوں میں سے تھیں۔ ضمیر احمد ان کی بات پر چپ ہو گئے۔ جب عورت سمجھنا نہ چاہتی ہو، تب اس کے پاس ڈھیروں تاویلیں دھری ہوتی ہیں۔ انھوں نے بحث کی بجائے خاموشی میں ہی عافیت جانی۔

❖❖❖

”بابا! مجھے ریموٹ کنٹرول ایروپلین چاہیے۔“ دس سالہ عاطف نے ضمیر احمد کو اپنی نئی فرمائش بتائی۔

”ابھی دو دن پہلے تو آپ نے اپنی مرضی سے واٹرشپ لی تھی، اب پھر سے نئی فرمائش؟“ ضمیر احمد نے عاطف کو یاد دلایا۔

”وہ... وہ تو ٹوٹ بھی گئی۔“ عاطف بڑے آرام سے بولا۔

”لیکن کیسے؟ وہ تو اتنی مہنگی آئی تھی، آپ نے اسے توڑ دیا۔“ ضمیر احمد کو عاطف کی بات پر ایک دم سے غصہ آ گیا۔ ”روپیہ پیسہ درختوں پر لگتا ہے؟ جو آئے دن برباد کیا اور نئی فرمائش پوری کروالی۔“

”اففو بابا! آپ بھی نا، پیچھے ہی پڑ جاتے ہیں۔ ایک ایروپلین ہی تو مانگا ہے، آپ پتا نہیں کیوں اتنا غصہ کر رہے ہیں؟“ عاطف پیر پٹختا ماں کے پاس چلا گیا اور ضمیر احمد جانتے تھے کہ عاطف اپنی ضد ماں کے ذریعے پوری بھی کروالے گا۔

❖❖❖

”بابا! میں نے بائیک لینی ہے۔“ پندرہ سالہ عاطف باپ کے روبرو کھڑا تھا۔ ضمیر احمد نے ایک نظر اسے دیکھا، انھیں اپنے کندھے جھکے ہوئے لگے۔

”آپ کے پاس اسپورٹس بائیسکل ہے نا!“ انھوں نے کمزور آواز میں کہا۔

”وہ... اولڈ فیشنڈ بائیسکل! آپ اسے اسپورٹس بائیسکل کہہ رہے ہیں۔ کس دنیا میں رہتے ہیں بابا؟“ عاطف کے پاس اپنی ضد پوری کروانے کے سو عذر تھے۔ ان سو میں ایک باپ کی بات کو ہنسی میں اڑا کر پیش کردیا۔

”ابھی نہیں دِلا سکتا۔“ ضمیر احمد تھکے تھکے انداز میں بولے۔

"کیوں نہیں دلا سکتے آپ؟" عاطف اب بہت بدتمیز ہوتا جا رہا تھا۔

"پچھلے ہفتے آپ نے کمپیوٹر لیا ہے، انٹرنیٹ لگوانے پر الگ خرچہ ہوا ہے۔ اب آپ بائیک مانگ رہے ہیں۔" ضمیر احمد کو لگا وہ وقت سے پہلے ہی بوڑھے ہو گئے ہیں، عاطف کی بے جا فرمائشیں پوری کرتے کرتے۔

"نہ لے کر دیں، میں امی سے کہہ دوں گا۔" غصے میں پیر پٹختا ماں کے پاس چلا گیا اور یہ اس کا پرانا اور کارآمد حربہ تھا۔

◆◆◆

"عاطف! ادھر آؤ! میری بات سن کر سونے جانا۔" ضمیر احمد رات گئے گھر واپس آنے والے اٹھارہ سالہ عاطف سے بولے۔

"اوہ بابا! آپ سوئے نہیں ابھی تک؟ سو جائیں میں بھی تھکا ہوا ہوں۔" عاطف نے ضمیر احمد کی بات یک سر نظر انداز کر دی اور دھپ دھپ کرتا، سیڑھیاں چڑھتا اوپری منزل پر بنے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

◆◆◆

"امی! مجھے پانچ لاکھ روپے چاہییں، آپ بابا سے بات کریں نا۔" عاطف جو ہمیشہ لیتا ہی آیا تھا، آج منہ پھاڑے اتنی بڑی رقم کا مطالبہ کر رہا تھا۔

"اتنی بڑی رقم کا کیا کرو گے؟" صفیہ نے پہلی بار بیٹے سے استفسار کیا۔ اس سے پہلے وہ ہمیشہ اس کی بے جا ضد پوری کروانے میں اس سے دو قدم آگے ہی رہتیں۔ اکلوتی اولاد بھی کبھی کبھی آزمائش ہی ثابت ہوتی ہے۔

"میں، سلیم اور عدیل کے ساتھ مل کر کاروبار کرنا چاہتا ہوں۔" عاطف نے اپنی طرف سے ماں کو بہلاوے کا لالی پاپ تھمایا۔

"وہ لفنگے۔۔۔ تم ان کے ساتھ کاروبار کرو گے؟" صفیہ کو شدید حیرت نے آلیا۔

"امی! وہ میرے دوست ہیں۔ آپ مجھ سے ان کے بارے میں اس طرح سے بات نہیں کر سکتیں۔ آپ بابا سے کہیں کہ مجھے پانچ لاکھ روپوں کا انتظام کر کے دیں۔" عاطف اپنی نئی فرمائش پوری کرنے کا کہہ کر اپنے کمرے میں بند ہو گیا اور صفیہ کو پہلی بار احساس ہوا کہ اب تک جو ہوتا آیا ہے غلط تھا۔

◆◆◆

ضمیر احمد کو اس کی نئی ضد کا پتا چلا تو صاف انکار کر دیا، ہونا بھی یہی چاہیے تھا، مگر عاطف کو لیتے رہنے کی عادت پڑ چکی تھی، کسی بھی طرح سے۔۔۔ دو دن بعد عاطف گھر سے ماں کا زیور اور جتنی بھی جمع پونجی ہاتھ لگی، لے کر چلتا بنا اور مڑ کر نہ دیکھا کہ پیچھے ماں باپ اس کی جدائی کے غم میں گھلتے جا رہے ہیں۔ ضمیر احمد نے تو اپنے اوپر خاموشی کا غلاف چڑھا لیا تھا، مگر صفیہ اس کے جانے کے بعد بستر سے لگ گئیں۔

◆◆◆

"آج دو مہینے ہو گئے ہیں گھر سے نکلے۔" عاطف دیوار سے ٹیک لگائے حساب کتاب میں لگا ہوا تھا۔

"عدیل! اب کیا ہو گا؟ اب تو سارے پیسے ختم ہو گئے ہیں۔" سلیم نے عاطف کے والٹ کو جھاڑنے والے انداز میں الٹا کر دیا۔

"یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔" عدیل پریشانی سے بولا۔ اس کی نظریں بھٹکتی ہوئی دور بیٹھے عاطف پر جا کر رک گئیں۔

"کیا ہوا شہزادے! اداس لگ رہا ہے۔" عدیل نے عاطف سے پوچھ لیا، لیکن ایسا لگتا تھا کہ عاطف حاضر ہو کر بھی حاضر نہیں۔ وہ بظاہر اسی کمرے میں عدیل اور سلیم سے کچھ فاصلے پر مگر ذہنی طور پر کہیں دور خیالوں میں گم تھا۔

"کیا ہوا، کہیں مما تو یاد نہیں آ رہیں؟ چہ چہ چہ۔۔۔ ماماز بوائے۔۔۔" سلیم نے بات کو مزاح کا رنگ دیا۔

"یو پیمپرڈ چائلڈ۔۔۔" عدیل نے بھی تمسخر اڑایا۔ ان دونوں کی باتیں عاطف کو ہوش میں لانے کو کافی تھیں۔ دو مہینے سے وہ اس کے لائے مال پر عیاشی کر رہے تھے اور ابھی بھی اس کے ساتھ یہ انداز۔ ایک جھٹکے سے جھکا ہوا سر اٹھا کر اس نے دونوں کو شرربار نظروں سے گھور کر دیکھا۔

"اوئے رک! تیری تو۔۔۔ (گالی) تیری ہمت کیسے ہوئی میری امی کے بارے میں اس طرح سے بات کرنے کی!" عاطف اُڑ کر سلیم تک پہنچا اور گریبان سے کھینچتے ہوئے بولا۔

"میرا مال کھاتے ہو اور مجھے ہی باتیں سناتے ہو!" عاطف کے منہ سے سلیم کے لیے مغلظات نکلنا شروع ہو گئیں۔

"تیرا مال کہاں سے آ گیا؟ ابا کی کمائی ہے تو کھلا رہا ہے، اپنا مال کون کھلاتا ہے؟ مالِ مفت دلِ بے رحم۔" سلیم نے تمسخر اڑاتے ہوئے کہا۔

"اوئے شہزادے! کیوں ٹمپر لوز کرتا ہے؟ چھوڑ، اس سے تو میں نبٹتا ہوں۔" عدیل کو معاملہ گرم ہوتا دکھائی دیا تو فوراً سے پیشتر پینترا بدلا۔

"اب تیری یہ مجال کہ تو آنٹی جی اور انکل جی کے بارے میں اس انداز سے گفت گو کرے۔ بھول گیا کتنے احسانات ہیں ہم پر عاطف جگر کے؟" عدیل سلیم کو گھرکتے ہوئے بولا ساتھ ہی اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کر دیا۔

"اور تو نے کیا بولا تھا مجھے۔۔۔؟ یو۔۔۔ پیمپرڈ چائلڈ۔۔۔؟" عاطف نے قہر برساتی نظروں سے عدیل کو گھورا اور عدیل کو اپنا خون خشک ہوتا محسوس ہوا۔ یہ وہ خاموش خاموش سا عاطف تو نہیں تھا جو یاروں پر جان چھڑکتا تھا۔ یہ تو کوئی اور ہی عاطف تھا، جس سے کم از کم عدیل اور سلیم تو واقف نہیں تھے۔

اہلِ محلّہ کی شکایت پر پولیس نے کارروائی کی اور ضمیر احمد کو کال کر کے تھانے بلا لیا گیا۔

◆◆◆

"بابا پلیز! مجھے معاف کر دیں۔ آئندہ کبھی آپ کو مجھ سے شکایت نہیں ہو گی۔" عاطف آنسوؤں سے بھرا چہرہ لیے ضمیر احمد کے سامنے حرفِ ندامت بنا کھڑا تھا۔ تھانے سے واپسی ٹرانس کی سی کیفیت میں ہوئی، لیکن جیسے ہی گھر کی دہلیز پر قدم رکھا، وہ جیسے ہوش میں آ گیا۔ پچھلے دو ماہ فاسٹ موشن میں نظروں کے سامنے سے گزرے تو حال پر نگاہِ ندامت بھی پڑی۔

"آپ جو کہیں گے اور جیسا کہیں گے میں اب وہی کروں گا۔ میں بھول گیا تھا کہ میں آپ دونوں کے بنا کچھ بھی نہیں۔ میں خود کو بہت عقل مند گمان کرنے لگ گیا تھا۔"

"اگر تمہیں اپنی غلطیوں پر واقعی ندامت ہے تو یہ ثابت کرو کہ تم اب پہلے والے لاپروا عاطف نہیں ہو۔ اپنی ذمے داریوں کو سمجھو اور زندگی میں ٹھوکریں کھا کر تجربہ حاصل کرنے کی بجائے دوسروں کے تجربات کو مشاہدے میں لاؤ۔ میری ریٹائرمنٹ کے دن قریب آ رہے ہیں۔ اگر تم ذمے دار ہونے کا ثبوت دینے میں کام یاب ہو گئے تو میں اپنے آفس میں تمہارے لیے بات بھی کر سکوں گا۔ اپنی ادھوری تعلیم مکمل کرو اور اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل بنو۔ میری دعائیں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہیں۔"

"آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے نا؟" عاطف کے لہجے میں نمی تھی۔

"ہاں، میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے، جو ہوا اسے بھیانک خواب سمجھ کر بھول جاؤ۔" ضمیر احمد نے اسے گلے لگاتے ہوئے ایک نظر بے خبر سوتی صفیہ پر ڈالی اور عاطف کی پیشانی چوم لی۔

# گونجتی آوازیں

آخری قسط

امۃ اللہ

”اومیڈم! پیسے تو دیتی جائیں۔“ ٹیکسی ڈرائیور نے شاہین کو آواز لگاتے ہوئے کہا۔ شاہین اس قدر پریشان تھی کہ پیسے دینا بھی بھول گئی۔ گھر پہنچتے ہی شاہین نے پہلا سوال یہ کیا: ”امی! آپا کہاں ہیں؟“

”بیٹا تم! آج اچانک؟ کیسے آنا ہوا تمہارا؟“ شاہین کی والدہ نے حیرت سے پوچھا۔

”امی! آپ بس مجھے یہ بتائیں کہ آج دروازہ آپا نے کیوں نہیں کھولا؟“ وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں بولی۔

بیٹا! آج شہزین فجر میں بھی نہیں اُٹھی۔ شاہین امی کی ادھوری بات چھوڑ کر اوپر آپا کے کمرے کی طرف چل دی۔ دروازہ کھولا تو شاہین کی سانس میں سانس آئی۔ آپا! میں اتنی پریشان ہو رہی تھی کہ نہ جانے آپ کو کیا ہوا اور آپ ہیں کہ یہاں پُرسکون نیند سو چکی ہیں۔ وہ بولے جا رہی تھی اور بولتے بولتے شاہین نے اپنی آپا کا ہاتھ پکڑا تو وہ بے جان تھا! شاہین نے شہزین کو جھنجھوڑا۔ آپا آپا! جواب دیں آپا! آپ بولتی کیوں نہیں؟ اور روح سے خالی جسم کو گلے لگائے شاہین نے آپا کے چلے جانے کو بھانپ لیا۔ آج شاہین اپنے ساتھ زمین و آسمان کو رُلانا چاہتی تھی، وہ اپنی آپا کی جدائی آج حقیقتاً محسوس کر رہی تھی۔ وہی مواقع آپا کے گلے لگنے کے جو اس نے آنسوؤں کے خوف سے گنوا دیے تھے۔ آج شاید وہ آپا کے بے جان وجود سے چمٹ کر اپنی آہوں کی انتہا چاہتی تھی۔ اس کی آپا کی ڈائری میں لکھا وہ آخری خط اللہ کے نام جواب شاہین زبانِ حال سے پڑھ رہی تھی، وہ یہ تھا:

”میری زندگی کے رنگ پھیکے پڑ گئے۔ دل میں شور مچاتی خواہشیں کانوں میں گونجتی رہیں، یوں لگا جیسے تقدیر سے ہر خوشی مٹا دی گئی، مگر میں نے تیرے ہر فیصلے کو تیری رضا سمجھا اور اپنی آخری سانس تک محبت کی تمام شرائط پوری کرنے کی ناقص کوششیں کرتی رہی، پھر بھی نہ میں محبت کا حق ادا کر سکی نہ تجھ سے وفا کر سکی۔ اب جبکہ میں آخرت کے سفر پر چل پڑی ہوں، اپنے توشۂ اعمال سے خوف کھاتے ہوئے، تیرے فضل سے اُمید لگاتے ہوئے، تجھ سے تیری مغفرت کی طلب گار ہوں۔ فقط تیری باندی! شہزین!“

شاہین کو خوب سمجھ آگیا کہ اب تک اس کی حفاظت آپا کی دُعائیں کر رہی تھیں۔ اب یہ وہ وقت تھا کہ اس میں شاہین کو پہلی تین شرطوں سے پہلے آخری شرط محبت کو پورا کرنا پڑا اور اس نے اپنی سب سے پیاری شے اپنی آپا کو کھو دیا اور اپنا میڈیکل کورس ادھورا چھوڑ کر قربانی دی۔ اب وہ اپنی آپا کی طرح باشرع بننا چاہتی تھی۔

آپا کو گزرے عرصۂ دراز ہو گیا کہ سڑک پر لاٹھی لیے ایک کمر جھکی بڑھیا نے شاہین کے دروازے پر دستک دی۔

تو شاہین تعجب سے آواز کو سننے لگی، یہ آواز جانی پہچانی سی تھی! شاہین نے دینی تعلیم حاصل کی اور آپا کے سلسلوں کو از سرِ نو شروع کیا۔ بچوں آواز بلند اور اونچی رکھو! تیز ذرا زور سے پڑھو قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ شہزین کی والدہ بچوں کو قرآن پڑھاتے ہوئے پکارنے لگیں تو قرآن پڑھنے کی آوازوں سے اک حسین سماں سا بندھ گیا۔ شاہین اور اس کے والدین اب دین کے محبّین بن چکے تھے۔ شاہین نے دروازہ کھولا تو وہ اس بڑھیا کو پہچان گئی، اب وہ خاتون نابینا ہو چکی تھیں، جو آپا سے ملنے آیا کرتی تھیں۔ شاہین نے انھیں بٹھایا اور کافی دیر تک وہ بڑھیا شاہین کو شہزین سمجھ کر باتیں کرتی رہیں، پھر جب دل بھر گیا تو اُٹھ کر جانے لگیں، شاہین دروازے تک چھوڑنے آئی تو الوداع کہتے ہوئے اس خاتون نے شاہین کا دایاں ہاتھ پکڑا اور اس کی پشت کو سہلانے لگیں۔ شاہین سمجھ گئی کہ یہ نابینا خاتون آپا کا ہاتھ سمجھ رہی ہیں، کیوں کہ آپا کے ہاتھ کی پشت پر بیچ والی اُنگلی کے جوڑ پر مسے نما تِل تھا، جسے وہ تلاش کر رہی تھیں، پھر کہنے لگیں: شاہین کو لگا کہ وہ پہچان گئیں اور پہچان میں اب آپا کے تل کا ذکر کریں گی! مگر وہ نابینا آنکھوں سے شاہین کے دل کی گہرائیوں کو ماپتے ہوئے کہنے لگیں: ”بیٹا! تو میری شہزین بٹیا نہیں!“

شاہین نے انھیں حقیقتِ حال سے آگاہ کیا تو ان کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے۔ شاہین نے دریافت کیا کہ آپ کیسے پہچانی کہ میں شہزین آپا نہیں ہوں۔ انھوں نے کہا: ”شہزین بٹیا بوڑھوں پر تم سے زیادہ مہربان اور شفیق تھی۔ واہ سبحان اللہ! درحقیقت وہ حسن کبھی نہیں مرتا جو روحِ باطن میں ہو!“ شاہین حیران تھی۔

شام کے وقت شاہین جب اپنی آپا کی چادر اوڑھتے ہوئے شیشہ دیکھنے لگی تو اسے اپنا۔۔۔ اپنے چہرے میں اپنی آپا کا چہرہ نظر آیا اور وہ کہنے لگی: ”میری حیا و قار، محبت اور خلوص سے بنی آپا کس قدر حسین تھیں، پھر شاہین اپنی آپا کی ڈائری لے کر چھت پر تنہا بیٹھ گئی۔ اس کے حسین رنگوں پہ اب اسلام کا انمول رنگ آچکا تھا۔“

باشرع لباس میں بڑی سی چادر کو سمیٹے شاہین چھت پر بیٹھی اپنی آپا کی تحریریں پڑھ رہی تھی، وہی تحریریں جواب شاہین کو اپنے رب کی محبت میں اڑان بھرنا سکھا رہی تھیں۔ شاہین نے اوراق پلٹے اور ہوا اس عنوان پر تھم گئی۔

”گونجتی آوازیں!“

اور شاہین کے ہونٹ ہلنے لگے: دل میں گونجتی آوازوں کو تجھ تک پہچانا چاہتی ہوں۔ تیری جدائی کتنی غم زدہ ہے اے اللہ تجھے یہ بتانا چاہتی ہوں، میرا ہر کام تیری مدد اور اعانت کا محتاج ہے، تیری مدد اور تیرے فضل کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ مجھے تیری یاد کے لیے بھی تیری مدد چاہیے۔ میری تنہائیاں میری خلوتیں تیری یاد سے آباد ہوں۔

# عالمی ادارہ بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ

BAITUSSALAM

## سستی روٹی پراجیکٹ

### لاکھوں روٹیاں مستحقین تک

**5 روپیہ** صرف عزت نفس کی خاطر

سپر فائن آٹا براہ راست بیت السلام ویئرہاؤس بھی پہنچا سکتے ہیں کم سے کم 50 کلو

# بہار آنے والی ہے

انیسہ عائشہ

چہار طرف سبزے کی بہار، پیڑ پودوں درختوں پر لہلہاتے ہرے ہرے پتے، ہوا میں اُڑتے پرندے، خوشنما پھولوں کی تراوٹ، کیسا خوش گوار منظر تھا۔ اس نے ایک پُر سکون سانس بھری اور تازہ ہوا کو پھیپڑوں میں پہنچایا۔

◆◆◆

عیشہ نے سردی سے اکڑے ہاتھوں کو آپس میں رگڑا کہ کچھ حرارت پیدا ہو سکے۔ اسی اثنا میں اسے امی کی آواز سنائی دی: ”عیشہ! ذرا میرے ساتھ ناشتا بنوادو، زبیر لوگوں نے اسکول جانا ہے۔“ عیشہ بددلی سی سست روی سے قدم اُٹھاتی چولہے کے دائیں جانب رکھی چوکی پر آکر بیٹھ گئی۔ اینٹوں کے بنائے گئے چولہے پر روٹی بناتی اماں نے گرما گرم روٹی توے سے اتاری اور چھوٹے کی چنگیر میں رکھتے ہوئے بولیں: ”شکر الحمد للہ رب سوہنے کا! یہ آگ بھی کیسی نعمت ہے۔ چوڑے آسمان تلے جلا کر بیٹھ جاؤ تو بھی گرماہٹ ملے۔ شکر اللہ کا! ہم غریبوں کی روٹی کا وسیلہ چلا رکھا ہے۔ روٹی دیکھ کر منے نے فرمائش کی: ”اماں! میں تو گھی والی روٹی کھاؤں گا۔“

”اچھا! بھائی کو اسکول جانا ہے، پہلے ان کو کھا لینے دو پھر بنا دوں گی۔“ اسے دیکھ کر زنیرا بھی بول اٹھی: ”میری روٹی میں بھی گھی لگا دو اماں۔“ ”رہنے دو ایسے ہی کھالو۔“ اماں کے انکار پر زبیر اس کی حمایت کو آ بڑھا۔ اماں اچھے موڈ میں تھیں، سو ذرا سے پس و پیش کے بعد ان کی فرمائش پوری کر دی۔ عیشہ نے ایک نظر اپنے چھوٹے بہن بھائیوں پر ڈالی جو گھی والی روٹی پا کر کیسے خوش ہو رہے تھے۔ اس نے گھی والی روٹی کو دیکھا جو ایک طرف ذرا سے لگائے گئے گھی سے آدھی سوکھی آدھی گیلی عجب نقشہ پیش کر رہی تھی۔ ایک طنزیہ سی مسکراہٹ اس کے چہرے پہ پھیلتی چلی گئی۔ ان کے جانے کے بعد امی نے منے کی چنگیر میں روٹی رکھی تو وہ بول اٹھا: ”مجھے نہیں کھانا یہ روٹی، مجھے بھی ابا کی طرح پراٹھا کھانا ہے۔“ ”میرے بیٹے! میرے چاند! اب یہی کھالے، پراٹھا اگلی بار بنا دوں گی۔“ مگر منّا بضد تھا کہ اسے چار کونوں والا (چوکور) پراٹھا کھانا ہے۔ اس کی ضد سے جھنجھلا کر اماں نے منّے کو ایک تھپڑ لگا دیا تو وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر رونے لگا۔ اماں کا غصہ بھی عروج پر پہنچ چکا تھا۔ ”نا، نواب زادہ ہے نا تُو جسے گھی میں تر پراٹھے کھلاؤں، اتنا مہنگا گھی ہو گیا ہے، اسی طرح کھلاتی رہی تو تمہارے باپ کی ساری کمائی اسی پہ لگ جائے گی۔۔۔“ اماں کی ڈانٹ ڈپٹ جاری تھی کہ یکایک دھوئیں کا ایک مرغولہ سا اٹھا اور عیشہ کی آنکھوں اور حلق میں گھستا چلا گیا۔ اب یہ جانے باہر کے دھوئیں کی کڑواہٹ تھی یا دل میں اٹھتی خواہشات کے مزار پہ لگی آگ کی چبھن! اس کی آنکھیں لبالب آنسوؤں سے بھرتی چلی گئیں۔ ایک کے بعد ایک کر کے آنسو لڑیوں کی صورت میں گالوں پر بہتے چلے گئے۔ اس نے بھی انھیں روکنے کی کوشش نہ کی، شاید وہ بھی چاہتی تھی کہ اندر کے غبار کو بہنے کا موقع مل سکے۔

◆◆◆

عیشہ نے جب سے شعور کی منزل پہ قدم رکھا تھا، وہ گھر کے حالات دیکھتی چلی آ رہی تھی۔ سات بہن بھائی اور اماں ابا کو ملا کر نو افراد کا خاندان، اس پر ابا کی محدود سی آمدن۔ پہلے تو گزارا مناسب طریقے سے ہوتا چلا آ رہا تھا۔ حالات عیاشی والے نہ تھے تو عسرت والے بھی نہ رہے تھے، مگر گزشتہ ایک دو برسوں میں اچانک سے بڑھنے والی منہ زور مہنگائی نے حالات کو بدتر کر دیا تھا۔ گھر کا کرایہ، بجلی اور گیس کے بل، بچوں کے تعلیمی اخراجات اور دیگر خرچے اتنے تھے کہ دانت سے پکڑ پکڑ کر چلنے کے باوجود اس کے والدین اخراجات میں توازن قائم کرنے میں ناکام تھے۔ ہر بار مہینے کے آخر میں کسی نہ کسی کا قرض دار ہونا پڑ جاتا تھا۔ مشکل وقت آ پڑا تھا، مگر اس کے امی ابا بلا کے صابر، شاکر اور قناعت پسند تھے، سو اپنے بچوں کو بھی اسی کا درس دیتے۔ یوں الحمد للہ! سب بچے سلجھے ہوئے تھے۔ چیزوں اور سہولیات کی کمی ضرور تھی، مگر ذہنی اور دلی سکون کی کمی نہ تھی، یوں ہی گزر بسر ہو رہا تھا۔

◆◆◆

عیشہ سب سے بڑی تھی۔ اس نے بھی اپنے والدین کی طرح قناعت پسند اور رجائیت آمیز طبیعت پائی تھی، مگر اس بار اس کی ہمت بھی جواب دے گئی تھی۔ سردیوں میں گیس کی ہوتی مسلسل لوڈ

شیڈنگ سے سلنڈر استعمال کرنا پڑ رہا تھا، مگر آخر کب تک! سلنڈر کی گیس وارے میں نہ آتا دیکھ کر اس کی امی نے لکڑیاں منگوا کر اینٹوں کا عارضی چولہا بنالیا۔ عیشہ اس پر خوب جھنجھلائی: "یہ نئی مصیبت ہے، امی کا بس چلے تو ہم سے اُپلے بھی تھپوائے۔"

لکڑیوں اور اُپلوں سے جلتی آگ سے اٹھتا کڑوا دھواں، سالن روٹی سے دھوئیں کی مہک، برتنوں پہ جمی کالک کو رگڑ رگڑ کر دھوتے، صاف کرتے عیشہ کو پہلی بار اپنی غربت اور بے بسی پر دکھ اور کُڑھن حد سے زیادہ محسوس ہوئی۔

نور، عیشہ کی کلاس فیلو اور دوست تھی۔ ان کی مالی حیثیت عیشہ لوگوں سے کافی بہتر تھی۔ وہ کئی سالوں سے اس کے ساتھ تھی۔ اس دوستی میں بھی باتونی سی نور کا زیادہ ہاتھ تھا۔ اب بھی وہ خاموش سامع بنی نور کی روداد سن رہی تھی: "یار عیشہ! سردیوں کی تو بات ہی کیا ہے۔ ہم تو خوب سردیاں انجوائے کر رہے ہیں۔ رات کو کمبل میں بیٹھ کر گرما گرم چاکلیٹ کافی کے ساتھ ڈرائے فروٹ کے مزے۔۔۔ وہ سانس لینے کو رُکی۔ سردیوں میں تو ہمارے گھر بس سونے اور کھانے کے علاوہ کوئی کام نہیں ہوتا اور سردیوں کی تو ڈھیروں سوغاتیں ہیں۔ میری دادو اتنے مزے مزے کی پنجیریاں، لڈو، پنیاں، چوری اور پتا نہیں کیا کیا بناتی ہیں اور ماما گاجر کا حلوہ۔۔۔ گاجر کی کھیر بناتی ہیں، اُففففف! مزہ آجاتا ہے قسم سے!! جبکہ اپیا کے ہاتھوں گرما گرم سوپ تو کبھی کشمیری چائے، آہاہاہاہاہا۔۔۔" نور نے بے اختیار مزہ لیا۔

"تم سناؤ نا چپ کیوں ہو؟ کیسی گزر رہی ہیں تمھاری سردیاں؟" نور نے اسے مخاطب کیا تو وہ ایک سرد آہ بھر کر رہ گئی۔ تصوّر میں اپنے گھر کا منظر اُبھر آیا، جہاں پیسوں کی کمی کی وجہ سے کسی سوغات کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اُلٹا گیس کی لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے چولہے پہ روٹیاں پکانی پڑ رہی تھی۔ تین ٹائم کی روٹی سالن اور صبح شام چائے کے علاوہ کوئی تیسری چیز دستیاب نہ تھی۔ ہاں! ایک دو بار مونگ پھلیاں اور سنگترے اس کے ابا سردیوں کی سوغات کے طور پر ضرور لائے تھے۔ اس کی طویل چپ سے اُکتا کر نور دوبارہ سے کسی نئے موضوع پہ شروع ہو چکی تھی، جبکہ عیشہ اپنی ہی سوچوں کے محور میں ڈوبی ہوئی تھی۔ گھر جا کر بھی عیشہ بے مقصد سوچوں میں اُلجھی رہی۔ سردیوں کی لمبی راتیں، ٹھنڈے بستر اور کمرہ۔۔۔ کاش! ایک ہیٹر ہوتا، رات کو بستر پر لیٹے لیٹے اس نے سوچا۔ اس کی ذہنی رو نور کی طرف جا بھٹکی اور وہ بے اختیار ہی ان کا اور اپنا موازنہ کرنے لگی۔ جیسے جیسے موازنہ کرتی جا رہی تھی، یاسیت اسے اپنی لپیٹ میں لیتی جا رہی تھی۔ گیلی آنکھوں سے تکیے پہ سر رکھ کر آخر کار وہ نیند کی وادیوں میں جا اتری۔

اگلی صبح بلکہ اگلے کئی روز اس کا یہی حال رہا۔ اس کا دل پڑھائی سے بھی اُٹھتا جا رہا تھا۔ سردیوں کا موسم تو ویسے ہی اس کے لیے عذاب بن کر اترا تھا کہ اسے موسمی الرجی تھی، چھینک چھینک کر اس کا بُرا حال ہو گیا تھا۔ دواؤں سے وقتی افاقہ تھا، مگر یہ کوئی مستقل علاج نہیں تھا۔ اس نے بہت سی دعائیں کر ڈالیں، مگر دعاؤں میں اثر نہ پا کر من میں شکوے اترنے لگے۔۔۔ اِک گہری جامد سی چپ اس پر چھا گئی تھی۔ کوئی بلائے بھی تو اُکھڑا اُکھڑا، چڑچڑا لہجہ، عجب قنوطی سی ہوتی جا رہی تھی۔ امی اس میں یہ تبدیلی واضح طور پر محسوس کر رہی تھیں، مگر وہ اسے طبیعت خرابی پر محمول کر گئیں۔ چھوٹی بہن برتن دھوتی، آٹا گوندھتی، سبزی بناتی، باقی کام امی نمٹا لیتیں۔ اُس پر کام کا بوجھ بالکل ختم ہو کر رہ گیا تھا، مگر دماغ پر سوار سوچوں کا بوجھ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اسے اپنا چھوٹا سا گھر مزید چھوٹا اور تنگ لگنے لگا تھا۔ ایک وحشت سی طاری تھی، اس کا دل چاہتا کہ وہ یہاں سے دور چلی جائے یا کوئی جادوئی چھڑی گھمائے اور اس منظر نامے سے خود کو غائب کر لے۔ پہلے وہ اُداس ہوتی تو رسالے اور کتابیں پڑھ لیا کرتی تھی، مگر اب وہ بھی اچھے نہ لگ رہے تھے۔

آج کئی دنوں کے بعد سورج نکلا تھا، سو وہ چھت پہ چلی آئی۔ نمازِ ظہر ادا کی۔ دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے تو بے اختیار اپنی حالتِ زار مالکِ حقیقی کے آگے سنا کر رو دی۔ آخر میں سکونِ قلب کی دعا مانگتی، منہ پر ہاتھ پھیرتی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ دل کا غبار ہلکا ہوا تو بوجھ سرکتا محسوس ہوا اور اپنا آپ ہلکا پھلکا محسوس ہونے لگا۔ کئی دنوں بعد دھوپ نکلی تھی۔ نرم گرم چمکیلی سی دھوپ بھلی لگ رہی تھی۔ وہ تکیے سے ٹیک لگائے آرام دہ حالت میں بیٹھ کر دھوپ سینکنے لگی۔ کچھ دیر بعد امی اوپر آئیں تو اس پر نظر پڑی جو پُر سکون انداز میں سو رہی تھی۔ نیند میں اس کے چہرے پہ پھیلی مسکراہٹ اور اطمینان دیکھ کر انھوں نے بے اختیار اس تاثر کے دائمی رہنے کی دعا دی۔

عیشہ نے خود کو ایک آہنی دروازے کے سامنے کھڑا پایا۔ وہ حیران پریشان سی دروازے کو دھکیلتی اندر داخل ہوئی۔ وہ جیسے جیسے آگے بڑھتی جا رہی تھی، اس کی آنکھیں حیرت واستعجاب کے مارے کھلتی جا رہی تھیں۔ یہ ایک خوش نما باغ کا منظر تھا، جہاں چاروں طرف ہرے بھرے پیڑ پودے اور درخت لگے تھے۔ تاحدِ نگاہ ہریالی ہی ہریالی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کا اِک جھونکا اس کے گالوں سے ٹکرایا تو خوش گوار سی لہر اس کے من میں اترتی چلی گئی۔ سامنے کھلے مہکتے ہوئے رنگارنگ پھول آنکھوں کو عجب تراوٹ بخش رہے تھے۔ سرسبز لہلہاتے درخت، ہوا میں اُڑتے خوش نما بولتے پرندے، خوب صورت پھولوں کی مہک، ایک بھرپور مکمل منظر نے اسے سرشار کر دیا تھا۔ ایسا پُر بہار سماں اس کا بے اختیار گنگنانے کو جی چاہنے لگا: "بہار آئی ہے، بہار آئی ہے!!" اس نے ایک گہری سانس بھر کر تازہ ہوا کو پھیپھڑوں میں پہنچایا۔ وہ سبزے اور پھولوں سے گھری رَوِش پہ قدم قدم چلتی لمحے لمحے کو محسوس کر رہی تھی۔ وہ اس فضا کو ہمیشہ کے لیے قید کر لینے کی خواہش لیے آگے بڑھی۔ دفعتاً اس کی نگاہ اس گوہرِ مقصود پر پڑی، جسے پانے کے لیے نگاہیں متلاشی تھیں اور وہ تھا۔۔۔ جی ہاں! ٹہنی پہ کھلا، خوش بو بانٹتا لہو رنگ سُرخ گلاب۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر گلاب کی پتیوں کی نرمی کو اپنی انگلیوں کی پوروں پر محسوس کیا۔ بے اختیار ہی گدگداتی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر اُمڈتی چلی گئی۔

"عیشہ، عیشہ آپی! اُٹھ بھی جائیں۔" اس نے آنکھ کھول کر نا سمجھی سے اس کی جانب دیکھا۔ "میں کب سے اُٹھا رہی ہوں آپ کو اور آپ نیند میں 'بہار آئی، بہار آئی ہے' بولے جا رہی ہیں۔" سامنے چھوٹی ندا کھڑی تھی۔

"اوہ! تو میں خواب دیکھ رہی تھی۔" وہ اب مکمل طور پر بیدار ہو چکی تھی۔

"ویسے اپیا! اگلے مہینے تک بہار آنے ہی والی ہے۔" عیشہ گو نیند سے بیدار ہو چکی تھی، مگر اس کا دل اور دماغ ابھی اسی منظر کے زیرِ اثر تھا۔ "ایسا میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟" اسے خاموش پا کر ندا نے تائید چاہی۔

"ہاں! بالکل درست کہہ رہی ہو، بہار آنے والی ہے۔" اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔ اس کا دل پُر یقین تھا کہ ان کی زندگی میں چھائی مشکلات کی خزاں ختم ہوئی ہی چاہتی ہے اور خوشیوں کی بہار آنے والی ہے۔ اس کی آنکھیں اُمید کی کرن سے جگمگا رہی تھیں۔

# چڑیا جیسا دل

قانتہ رابعہ

روزانہ عصر کی نماز کے بعد گھر کے بچے قاری صاحب سے پڑھا کرتے تھے۔ عام دنوں میں قاری صاحب صرف سبق دیتے اور سنتے ہی تھے، لیکن رمضان سے ایک ڈیڑھ ماہ قبل وہ بچوں کی خصوصی تربیت کیا کرتے، خاص طور روزہ نماز اور دعاؤں پر توجہ دیتے قاری صاحب ہاتھ میں ڈنڈا تو نہیں رکھتے تھے، لیکن ان کا خاصا رعب تھا۔ آج قاری صاحب آئے تو چھوٹی زارا اور منیب کی تُو تُو میں میں شروع ہو گئی۔ قاری صاحب نے دونوں کی بات سنی منیب نے زارا کے بیگ سے نہ صرف پیسے نکالے تھے بلکہ چوری چھپے اس کے خوب صورت کلر مارکرز بھی نکال لیے۔

زارا نے جتنی مرتبہ بھی پوچھا منیب نے صاف انکار کر دیا اور کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا: ”توبہ توبہ! میں کیوں لوں گا تمہاری چیزیں؟“ دونوں نے بحث قاری صاحب کی موجودگی میں بھی جاری رکھی۔

دس سالہ ریحان نے زارا کا پاؤں دبایا، منیب کے چٹکی کاٹی اور چپ رہنے کا اشارہ کیا، مگر دونوں چھوٹے اور بے سمجھ تھے، شاید کسی بادشاہ کو اپنی حکومت چھننے کا اتنا صدمہ نہ ہوتا ہو، جتنا اسے کلرز مار کر کے گم ہونے بلکہ چوری ہونے کا صدمہ محسوس ہو رہا تھا۔

”آپ نے سبز رنگ سے اپنے سبق پر نشان کیوں نہیں لگایا؟“ قاری صاحب نے سوال کیا۔

”قاری صاحب! میرے کلر مارکرز چوری ہو گئے۔“ زارا بی بی موٹے موٹے آنسوؤں کے ساتھ جواب دیا۔

”چوری ہو گئے؟ استغفراللہ! بغیر ثبوت کے کسی دوسرے پر الزام ہے بھئی! کیا پتا تم رکھ کر بھول گئی ہو یا کسی کو دے دیے ہوں۔“ قاری صاحب سب کی عادتوں کے بارے میں بھی جانتے تھے۔

زارا آنسو پونچھتے ہوئے بولی: نہیں قاری صاحب! وہ مارکر میں نے اپنے اسکول بیگ میں ڈالے تھے، مجھے یاد ہے۔ ساتھ میں دس روپے بھی تھے۔ اسکول سے واپس آکر بیگ میز پر رکھا تو بھی مارکرز موجود تھے۔

”ہوووں!“ قاری صاحب نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا: ”زارا بیٹے! آپ نے گھر میں سب سے پوچھا ہے؟“

”جی قاری صاحب! سلمان اور ریحان کے پاس تو ان سے بھی مہنگے والے مارکرز ہیں اور دس روپے بھی سلمان بھیا نے ہی دیے تھے، بھلا کوئی پیسے دے کر چوری تھوڑی کرتا ہے۔“ وہ حیرت سے بولی۔

قاری صاحب مسکرائے اور منیب کی طرف دیکھا۔

”نہیں، میں بھلا کیوں چوری کروں گا۔۔۔؟“ ایسا کہتے ہوئے اس نے دایاں ہاتھ اوپر کیا تو ہتھیلی پر سبز رنگ کی چھوٹی سی لکیر تھی اور یہ بالکل وہی رنگ تھا، جس سے زارا سبق پر نشان لگایا کرتی تھی۔ ان کی آنکھوں میں چمک سی آئی، انھوں نے گلا صاف کیا اور سب کو متوجّہ کیا: ”کیا آپ سب کو پتا ہے، چوری کرنے پر چور کی کیا سزا ہے؟“

”قاری صاحب! چور کو پولیس والے انکل جیل میں بند کر دیتے ہیں۔“ ریحان نے جواب دیا۔

”درست کہا، لیکن ہمارے قرآن مجید میں جو ہم روز شوق سے تلاوت کرتے ہیں، اس میں اللہ ربُّ العزّت نے ہر چھوٹی بڑی نیکی کا انعام اور ہر برائی کی سزا بھی بتائی ہے۔ اگر جان بوجھ کر کوئی چیز چوری کر لی جائے اور پوچھنے پر جھوٹ بھی بولا جائے تو اس کی سزا اس کا ہاتھ کاٹنا ہے، اگر اس کے بعد دوبارہ چوری کرے تو دوسرا ہاتھ کاٹ دو، میری بات سنو!“ انھوں نے ریحان سلمان سمیت سب کو مخاطب کیا: ”فرشتوں کو جھوٹ بولنے والے کے منہ سے اتنی بدبو آتی ہے کہ وہ بہت دور چلے جاتے ہیں۔ دنیا میں وہ بچ سکتا ہے، لیکن قیامت کے دن تو جھوٹ بولنے والے کے پاؤں جھوٹوں اور چوروں کے پاؤں خود بخود چوروں کے گروپ کی طرف اٹھیں گے۔“

سب نے دیکھا منیب نے ایک دَم منہ پر ہاتھ رکھ لیا اور منیب کا رنگ فَق ہو گیا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

قاری صاحب کو اس نے مارکرز خود ہی واپس کر دیے اور آہستہ سے کہا: ”دس روپے کی میں نے کینڈی لے لی، وہ ان شاء اللہ کل دے دوں گا۔“ قاری صاحب نے اسے سینے سے لگاتے ہوئے کہا: ”اِس وقت آپ سب میں سے سب سے اچھا منیب ہے، کیوں کہ اس نے اپنی غلطی تسلیم کر لی ہے اور معافی مانگ لی ہے۔ اللہ جی نے کہا ہے“ مجھے غلطی مان لینے والے اور معافی مانگنے والے بہت پسند ہیں بھئی! جو اللہ جی کو پسند ہے، ہم اسے بُرا کیسے کہہ سکتے ہیں۔۔۔؟ ویسے بھی دو تین دن میں روزے شروع ہو رہے ہیں، اس میں تو زیادہ دھیان رکھنے کی ضرورت ہے، کیوں کہ شیطان ہاتھ پکڑ کر کسی کو روزہ رکھنے سے تو روک نہیں سکتا، بس! وہ چھوٹے موٹے جھوٹ، چوری، لڑائی سے روزہ خراب کروائے گا۔

منیب ابھی بھی سر جھکائے بیٹھا تھا، اس کے ہاتھ پر سبز مارک کا نشان تھا۔

”ہاتھ سے خوش بو والے صابن کی بہت پیاری خوش بو بھی آ رہی ہے، لگتا ہے نشان مٹانے کے لیے ہاتھ کئی مرتبہ مل مل کر دھویا ہے۔“ قاری صاحب نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

منیب نے ہاتھ تیزی سے پیچھے کیا، لیکن قاری صاحب نے اس کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں لیا اور بولے: ”منّا سا سبز رنگ کا نشان ہے، جو باوجود دھونے کے نہیں مٹ سکا۔ تمھیں پتا ہے، ایک چیز ایسی ہے جو اسے ایک سیکنڈ میں مٹا دیتی ہے۔“

”وہ کیا قاری صاحب!“ منیب بے قراری سے بولا۔

”وہ یہ کہ انسان سے جو بھی گناہ ہو جائیں، بے شک ماں باپ کی نافرمانی ہو یا چوری۔۔۔ اور یہ کہ چوری ہو گی تو جھوٹ بھی ہو گا، اللہ رمضان میں ہر برائی کو خواہ پہاڑوں جتنی بڑی کیوں نہ ہو، اگر بندہ اس کی سچے دل سے معافی مانگ لے تو اس کا ہر گناہ جلا دیا جاتا ہے، بلکہ دھو دیا جاتا ہے، نام و نشان تک باقی نہیں رہتا۔“

”سچ! وہ کیسے؟“ منیب فوری بولا۔

”سچی توبہ کرنے سے۔“ امی جان نے چائے پکوڑے اور بسکٹ بھیجے تھے۔

سب بچے روز قاری صاحب کے ساتھ مل کر بسکٹ اور گھر کی بنی چیزیں کھاتے تھے۔ یہ پہلی مرتبہ نہیں ہوا تھا، بس منیب نے اپنا بسکٹ زارا کو دیا۔ قاری صاحب نے اللہ کا شکر ادا کیا، جس نے اتنے پیارے بچے بنائے، جن کے دل واقعی چڑیوں جیسے ہوتے ہیں، جلد مان لینے والے۔۔۔!!

# دردِ مسلم

لائبہ عبدالستار

ٹھک ٹھک ٹھک ! !

ٹھک ٹھک ٹھک ! !

مسلسل دروازہ پیٹا جا رہا تھا، ساتھ ہی کوئی گھنٹی پر انگلی رکھ کر بھول ہی گیا تھا۔

"اللہ خیر کرے!" اسوہ دل میں بولی۔

"کون؟" مروہ نے دروازہ کے اندر سے پوچھا۔

"جلدی دروازہ کھولو بھئی! بھاری بھرکم سامان لے کر باہر کھڑی ہوں۔" شازیہ پھولے ہوئے سانس سے بولی تھی۔

"اففف! امی آپ۔۔۔ آپ نے تو ہمیں ڈرا ہی دیا تھا۔" مروہ دروازہ کھولتے ہی بولی۔

"کیوں بھئی! کسی چور ڈاکو نے دروازہ پیٹا تھا؟" شازیہ سامان رکھتے ہوئے بولی۔

"اسوہ آپی! کیا چور ڈاکو ایسے دروازہ پیٹتے ہیں؟" محمد عتبان نے سہمے ہوئے پوچھا۔

"ارے نہیں، میرے بھولے بھائی! چور ڈاکو تو بڑی خاموشی سے داخل ہوتے ہیں۔" شازیہ محمد عتبان اور اسوہ کی گفتگو پر چونکی۔

"ارے! بھابھی آپ کب آئیں؟"

"السلام علیکم! بس ابھی دس منٹ پہلے ہی پہنچی ہوں۔"

"لگتا ہے، آج دو مہینوں کا راشن ایک ساتھ لے آئیں ہیں آپ؟" ستارہ بھابھی نے پوچھا۔

"وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ، جی بھابھی! آپ کو پتا ہی ہے اگلا مہینہ رمضان کا ہے، بس پہلے ہی ساری خریداری کر لی ہے، تاکہ رمضان میں زیادہ سے زیادہ عبادات پر زور ہو۔" شازیہ نے جواب دیتے ہوئے برقعہ رکھا اور ستارہ بھابی کے ساتھ باتیں کرنے لگی۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے شازیہ! مجھے بھی یہ ہمت کرنی پڑے گی۔"

"امی! یہ تو اسرائیلی مصنوعات ہیں۔۔۔" اسوہ سامان دیکھتے ہوئے بولی۔

"ہاں بیٹا! بس اب جو آ گیا ہے رکھ لو۔" شازیہ نے تھکاوٹ بھرے لہجہ میں جواب دیا۔

"مگر شازیہ! کیا ہی اچھی بات ہو کہ ہم رمضان میں عبادات کی فکر کے ساتھ ساتھ اللہ کے بندوں کا درد بھی محسوس کریں، ان کا خیال کریں۔" ستارہ بھابھی کچھ سوچتے ہوئے گویا ہوئیں تھیں۔

"کیا مطلب! میں آپ کی بات ٹھیک سے سمجھی نہیں۔"

"مطلب یہ ہے میری پیاری بہن! کہ مظلوم مسلمانوں کا درد محسوس کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ حدیثِ پاک کا مفہوم ہے "مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں، جب اس کے کسی ایک حصہ میں تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم درد محسوس کرتا ہے۔" ستارہ بھابھی نے سامنے رکھے سرف ایکسل کے بڑے سے پیکٹ کو دیکھا جو لیمن میکس کے ڈبہ سے سہارا لیے ہوئے تھا۔

"ہمیں اپنی خوشی، غمی میں اپنے مظلوم مسلمانوں کو نہیں بھولنا جو ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں۔ ہم نے اس ظلم کی چکی کو طاقت ور نہیں بنانا، بلکہ کمزور کرنا ہے اور یہ ایسے ہی ہو گا کہ ہم دشمنوں کی مصنوعات کا بائیکاٹ کریں۔"

"جی بھابھی! آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ابتدا میں تو جوش تھا، تب تو ہر چیز کا بائیکاٹ جاری تھا، مگر اب رفتہ رفتہ غفلت ہوتی جا رہی ہے۔"

"حالاں کہ یہ چیزیں خریدتے وقت ضمیر نے آواز دی تھی، مگر میں نے نظر انداز کر دیا۔" شازیہ شرمندگی سے بولی۔

"دیکھو شازیہ! اللہ تعالیٰ کو وہ عمل محبوب ہے، جس پر مداومت ہو، چاہے وہ چھوٹا سا عمل ہی کیوں نہ ہو۔ اب سے ہم عہد کر لیں کہ کفار کا بائیکاٹ ہمیشہ جاری رکھیں گے۔"

"جی بھابھی! انشاءاللہ ضرور۔۔۔" شازیہ بھابی دلی عہد کرتے ہوئے بولیں۔

# حمزہ کا خواب

سعد علی چھیپا

ایک خوب صورت صبح تھی۔ پانچ سالہ حمزہ اپنے دادا کے ساتھ باغ میں کھیل رہا تھا۔ دادا ابو نے پرانی کہانیوں کی ایک کتاب کھولی اور کشمیر کے حسین پہاڑوں، شفاف جھیلوں اور خوب صورت وادیوں کی تصویریں دکھانے لگے۔ حمزہ کے دل میں کشمیر دیکھنے کی خواہش جاگ اُٹھی۔ اس نے معصومیت سے پوچھا: "دادا ابو! یہ کشمیر ہمارا کیوں نہیں؟" دادا ابو کی آنکھیں بھر آئیں۔ انھوں نے کہا: "بیٹا! کشمیر ہماری پہچان ہے، وہاں کے لوگ اپنی آزادی کے لیے قربانیاں دے رہے ہیں۔ ہم ان کے ساتھ ہیں، ان کی مدد کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ وہ دن جلد آئے جب کشمیر آزاد ہو۔"

حمزہ کے دل میں جذبہ پیدا ہوا۔ وہ چھوٹا سا تھا، لیکن بہت بہادر تھا۔ اس نے دل میں سوچا: "میں بھی اپنے کشمیری بہن بھائیوں کے لیے کچھ کروں گا!"

حمزہ کے والد فوج میں ایک بڑے افسر تھے اور اکثر اپنی ذمے داریوں کے سلسلے میں مصروف رہتے تھے۔ حمزہ اپنے والد کی وردی دیکھ کر ہمیشہ خوش ہوتا اور سوچتا کہ ایک دن وہ بھی اپنے والد کی طرح ملک کی خدمت کرے گا۔ والد کی باتوں سے حمزہ کو ہمیشہ یہ سمجھایا جاتا کہ ملک کی حفاظت کرنا اور مظلوموں کی مدد کرنا سب سے بڑی قربانی ہے۔

ایک دن حمزہ نے گھر میں ایک چھوٹا سا فوجی کیمپ بنایا۔ اس نے اپنے کھلونے جمع کیے اور انھیں فوجیوں کی طرح قطار میں کھڑا کیا۔ اس کے پاس ایک چھوٹا جھنڈا تھا، جسے اس نے چھت پر لہرایا۔ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ "کشمیر بنے گا پاکستان" کے نعرے لگاتا اور اپنے کھلونوں کو ترتیب دیتا، جیسے وہ کوئی حقیقی فوجی ہو۔

کچھ دن بعد حمزہ کے والد نے اسے اپنے ساتھ فوجی کیمپ لے جانے کا وعدہ کیا۔ حمزہ کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ آخر کار وہ دن آ گیا جب حمزہ اپنے والد کے ساتھ فوجی کیمپ گیا۔ حمزہ نے مصافحہ کیا اور انھیں پانی بھی پلایا۔ ایک فوجی نے مسکرا کر کہا: "چھوٹے سپاہی! تم ہمارے حوصلے کا حصہ ہو!"

اس رات جب حمزہ سویا تو اس نے ایک حیرت انگیز خواب دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ کشمیر کی وادیاں آزادی کا جشن منا رہی ہیں۔ بچے آزادی سے کھیل رہے تھے، ہر طرف امن تھا اور خوشیوں کے نعرے گونج رہے تھے۔ لوگ "الحمد للہ! کشمیر آزاد ہو گیا!" کے نعرے لگا رہے تھے۔ حمزہ خود کو ان بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھ رہا تھا اور محسوس کر رہا تھا کہ یہ آزادی سب کی مشترکہ کامیابی ہے۔

جب حمزہ کی آنکھ کھلی تو وہ بہت خوش تھا، لیکن جلد ہی اُسے یاد آیا کہ یہ تو صرف ایک خواب تھا۔ اس کا دل اُداس ہو گیا، لیکن پھر وہ اٹھا، وضو کیا اور نماز ادا کی۔ اس نے اللہ سے دعا کی: "یا اللہ! میرے کشمیری بہن بھائیوں کو آزادی نصیب فرما۔ ان کی قربانیاں قبول فرما اور ہمیں وہ دن دکھا جب کشمیر آزاد ہو جائے۔ آمین!" نماز کے بعد حمزہ نے عزم کیا کہ وہ پڑھائی میں محنت کرے گا اور بڑے ہو کر ایسا کام کرے گا، جس سے کشمیری عوام کو ان کے حق کی حمایت ملے۔ یہ کہانی ہمیں سکھاتی ہے کہ خواب دیکھنا پہلا قدم ہوتا ہے، لیکن ان خوابوں کو حقیقت میں بدلنے کے لیے دعا، محنت اور قربانی ضروری ہے۔ حمزہ کا خواب اس کے دل میں ایک اُمید کی کرن بن گیا اور اس نے اسے کبھی بجھنے نہ دیا۔

# دو بچے دو خط

حفصہ محمد فیصل

## پیارے پاکستانی بھائی!

میں عبدالحسیب کشمیری، آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں "بچے تو سب کے سانجھے ہوتے ہیں۔۔۔ بچے کسی کے بھی ہوں۔۔۔ بچے تو بچے ہوتے ہیں نا!" اب اگر یہ بچے کشمیر میں بہرے اور اندھے ہوتے ہوں تو آپ کیسا محسوس کریں گے؟ کبھی عینا مشتاق بھارتی فوجیوں کے چھروں سے بینائی کھو بیٹھتی ہے تو کبھی اسد بن عبدالبصیر سمندر کے کنارے مردہ ملتا ہے! ہم معصوموں کی جگہ کبھی اپنے معصوموں کو رکھ کر سوچیے! آپ لرز ہی تو جائیں گے۔ کیا ہم بچوں کی آنکھوں میں مستقبل کے سپنے، دل میں مچلتے جذبے اور دماغ میں آتے حسین خیالات نہ ہوں گے؟

کیا ہمارا دل نہ چاہتا ہو گا کہ ہم بھی نئے نکور یونیفارم پہن کر ہاتھ میں بستہ اور پانی کی بوتل تھامے ہاتھ ہلاتے ماں کو "فی امان اللہ" کہتے اسکول کو روانہ ہوں۔ مستقبل کے خواب بنیں، الف سے انار اور آ سے آم پڑھیں، کبھی دو کا پہاڑا تو کبھی گھڑی میں چوہا ناچا، کا شور مچائیں۔ محبتوں کے متلاشی ہم معصوم بچے کبھی سوکھی روٹی اور کبھی صاف پانی کو سسکتے ہیں۔۔۔ کیا پیزا، کیا زنگر برگر اور کیا شوارما؟ ہماری تو صبحیں بھی بھوکی اور شامیں بھی پیاسی ہیں۔ ہمارے جذبات واحساسات کا کوئی جاننے والا نہیں، ہم تن کو ڈھانکنے اور پیٹ کو بھرنے کی فکر اور اپنی جان کو بچانے کی تگ ودو میں زندگی سے ہی بھاگتے پھر رہے ہیں۔۔۔ کوئی ہے؟ جو ہمارے گرمی وسردی کو اپنے اے سی سے یخ بستہ کمروں اور ہیٹر سے گرماہٹ زدہ غرفوں میں محسوس کرے۔۔۔؟

ہم کبھی گرمی سے جھلستے آسمان کی طرف نگاہ کرتے ہیں تو کبھی سردی سے ٹھٹھرتے جسموں اور بین کرتی ہڈیوں کو سمیٹتے ہیں۔ کسی مسیحا، کسی بینا کے منتظر ہم نونہال شکوہ کناں ہیں کہ:

ہم کیوں اسیر پیدا ہوئے؟

آخر ہمیں ہی کیوں چنا گیا اس مَشقّت کے لیے؟

کیا بُرا ہوتا، اگر ہم بھی آزاد فضاؤں اور راحتوں میں پیدا ہوتے؟

ہم بھی ڈاکٹر، انجینئر اور سائنسدان بننے کے سپنے آنکھوں میں سجاتے، امی سے دعائیں لیتے ابّا سے لاڈ اُٹھواتے، استادوں سے شاباشی وصول کرتے، کامیابیوں کے تمغے پاتے اور اعزازوں کی سندیں حاصل کرتے۔

"زندگی کتنی پُر مسرّت ہوتی نا!" کبھی جھولے جھولتے، کبھی نغمے گاتے، محبتوں اور نازوں میں پلتے، پیاروں کے ساتھ رہتے، ہم بھی گرمی اور سردی کے لطف لیتے، بہاروں کی خوش بوؤں سے اپنی سانسوں کو معطر کرتے، تتلیوں کے پیچھے بھاگتے، جگنوؤں کو قید کرتے۔۔۔ مگر! ہم تو اسیر ہیں، اپنے ہی گھر میں رہتے ہوئے فقیر ہیں۔۔۔ ہمارے نہ خواب ہیں نہ خواہشیں! نہ جذبات ہیں نہ احساسات۔۔۔!

ہمیں تو بس زمین پر سکون سے رہنے کی تھوڑی سی جگہ مطلوب ہے۔

"ہادیٔ عالم ﷺ تو اس امت کو جَسَدِ واحد سے تشبیہ دے گئے ہیں۔"

"خبردار! تم ایک جَسَدِ واحد ہو، اگر جسم کے ایک حصے میں درد ہوتا ہے تو سارا جسم تڑپتا ہے۔" مگر نہ جانے وہ ایک امت کا درد رکھنے والے مسلم کہاں کھو گئے؟

کہیں کشمیریوں کی جوان لاشیں مائیں دیکھ کر بین کرتی ہیں تو کہیں کشمیری بہنوں کی آہیں ہیں تو کہیں بوڑھے باپ نوحہ کناں ہیں۔۔۔ دلِ مضطر کی پکار کون سنے؟ ہماری جگہ اپنے سپوتوں کو رکھنا ذرا!

اس درد کی آنچ پر کچھ لمحوں کے لیے خود جلنا ذرا! اس دل کی خَلِش کو محسوس کرنا ذرا!

کوئی ہلکی سی چبھن، خَلِش یا درد محسوس ہو تو میرے لیے ربِّ ذوالجلال سے دعا ہی مانگ لینا، میں سمجھوں گا میری مراد بر آئی!!!

میرے درد نے دوا پائی، میرے آنسوؤں نے فلاح پائی۔

آپ کا مخلص بھائی
عبدالحسیب کشمیری
سری نگر۔ مقبوضہ کشمیر

## پیارے بھائی عبدالحسیب کشمیری!

میں عبدالحنان، تمام پاکستانی بچوں کی طرف سے آپ سے اور تمام کشمیری بچوں سے مخاطب ہوں کہ ہم کشمیر کو پاکستان بنا کر ہی دم لیں گے، وہ دن دور نہیں جب آپ اور ہم ایک ساتھ ہوں گے۔

"کشمیر بنے گا پاکستان" کا نعرہ ان شاء اللہ جلد شرمندۂ تعبیر ہو گا۔

بے شک! آپ کی تکلیفوں اور اذیتوں کو ہم بالکل محسوس نہیں کر سکتے، لیکن اس درد کو دیکھ کر جس سے آپ گزر رہے ہیں، ہمیں انتہائی تکلیف ہوتی ہے۔ ہم بطورِ پاکستانی بار بار تمام عالم میں آپ کا نام لے کر انصاف کا علم بلند کرتے ہیں، اکثر جگہوں سے اُمید افزا اقدامات بھی ہو رہے ہیں۔

بس! ہم دعا گو ہیں کہ اس غیر جانبدار قبضے کو اللہ تعالیٰ جلد از جلد حل کروا دے، ورنہ آپ یقین رکھیں! ضرورت پڑی تو ہم کشمیر کو آزاد کروانے کے لیے اپنی جانوں کی بھی پرواہ نہیں کریں گے۔ ان شاء اللہ!

اللہ پاک ہم سب کا حامی وناصر ہو۔ آمین!

آپ کا خیر خواہ
عبدالحنان
اسلام آباد۔ پاکستان

# وہ روبوٹ

سعدیہ اجمل

احمد زخمی حالت میں سڑک پر پڑا تھا۔اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔وہ مدد کے لیے آہ و بکا کر رہا تھا۔اسے دور دور کوئی انسان دِکھائی نہیں دے رہا تھا۔ سڑک ویران تھی۔ سورج ڈھل چکا تھا۔ احمد کو لگ رہا تھا کہ وہ اب زندہ نہیں رہے گا۔اس کی آنکھیں خود بہ خود ہی بند ہو رہی تھیں۔اس کی آنکھوں نے جو آخری منظر دیکھا وہ یہ تھا کہ ایک طرف سے بہت سے چھوٹے بڑے رُبوٹ اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔

وہ بڑبڑایا تھا۔۔۔

"ر۔۔۔ربو۔۔۔ربوٹ" پھر تین ربوٹ اس کی طرف بڑھنے لگے۔

اس کے بعد اس کے ساتھ کیا ہوا اسے کوئی ہوش نہ رہا۔

◆

احمد کو جب ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو اپنی کالونی کے ہسپتال کے میں پایا۔

اس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور وہاں اس کے علاوہ کوئی بھی نہیں تھا۔

اس کا ذہن بالکل ماؤف تھا۔آہستہ آہستہ اسے سب یاد آنے لگا اور وہ خوف سے کانپ اٹھا۔

"وہ روبوٹ کہاں ہیں؟ کیا مجھے وہ یہاں لائے تھے؟" اس کے ذہن میں ایسے بہت سے سوال تھے، جن کا جواب دینے والا کوئی نہیں تھا۔

وہ ڈر کے مارے کمرے سے باہر نکلا، وہاں بھی کوئی نہ تھا۔

"یہ سب ہسپتال والے کہاں چلے گئے؟" اس نے خود سے سوال کیا۔

وہ وہاں سے ہوتا ہوا باہر نکلا۔ باہر ایک گاڑی کھڑی تھی، لیکن اس میں ڈرائیور نہیں تھا۔ "یہیں کہیں گئے ہوں گے ڈرائیور انکل، جب آئیں گے تو میں آسانی سے گھر چلا جاؤں گا۔" اس نے سوچا۔

دراصل کالونی کافی بڑی تھی اور ہسپتال سے گھر کے درمیان اچھا خاصا فاصلہ ہونے کی وجہ سے پیدل چل کر جانا محال تھا۔

◆

احمد چلتا ہوا گاڑی کے پاس آیا۔

"جی سر کہاں جانا ہے آپ کو؟" اچانک آواز آئی، اس نے اِدھر اُدھر دیکھا لیکن کوئی نہیں تھا۔

"تو کیا گاڑی بول رہی ہے، کیا ہے یہ سب؟" وہ بڑبڑایا۔

"آپ کون؟" اس نے ڈرتے ہوئے پوچھا۔

"سر! آپ سے ایک گاڑی مخاطب ہے، ذریعہ آمد و رفت ہونے کے ناطے میرا فرض ہے کہ جہاں آپ جانا چاہتے ہیں میں آپ کو وہاں پہنچاؤں۔"

"یاہوووووو! گاڑی بول رہی ہے، خوابناک دنیا۔" وہ بہت خوش ہوا اور اپنے گھر کا پتا بتانے لگا۔

جیسے ہی اس نے مکمل پتا بتایا تو گاڑی اس کے گھر کے راستوں پر رواں دواں ہو گئی۔

راستے میں بھی کوئی بندۂ بشر نہیں تھا، اسے تھوڑا عجیب سا لگا۔

گاڑی ٹھیک اس کے گھر کے دروازے پر آکر رُک گئی، وہ نیچے اترا اور بولا: "کتنا کرایہ؟" اس نے پوچھا۔

"ہماری خوش قسمتی کہ ہم آپ کے کام آئے، کوئی کرایہ نہیں۔"

"ہاااا۔۔! کیا سچ مچ؟ شکریہ پیاری گاڑی۔" گاڑی آگے بڑھ گئی۔

◆

وہ گھر کے اندر آیا وہاں بھی خاموشی تھی۔

"امی، امی!" اس نے آواز دی، لیکن کوئی جواب نہ آیا۔

"یہ امی کہاں چلی گئیں؟ ہو سکتا ہے کوئی کام ہو، اس لیے کہیں چلی گئی ہوں۔" اس نے خود ہی سوال کیا اور خود ہی جواب دیا۔

"بھوک بھی لگ رہی ہے کچن میں دیکھتا ہوں ہو سکتا ہے کیا امی نے کچھ بنایا ہو۔" وہ خود سے بولا۔

جیسے ہی وہ کچن میں داخل ہوا تو آواز آئی: "سر کیا کھانا چاہیں گے؟"

"کیاااا! گاڑی کی طرح یہاں بھی!!" وہ خوشی سے چلایا اٹھا۔

"سینڈوچ کھاؤں گا میں!" وہ جوش سے بولا۔ کچھ دیر بعد سینڈوچ تیار ہو گئے۔

"واہ مزے دار!" اس نے مزے سے کھاتے ہوئے کہا۔اس نے کھانا کھایا اور کچن سے نکل آیا۔

"لیکن امی کہاں ہیں؟" اس نے اداسی سے سوچا۔ اسے اب شدّت سے ان کی یاد آ رہی تھی۔ سب کچھ پُر آسائش ہونے کے باوجود وہ خود کو بے حد اکیلا محسوس کر رہا تھا۔

◆

اسے خیال آیا کہ باہر جا کر دیکھنا چاہیے، کیا پتا ہمسائیوں میں سے کسی کو بتا کر گئی ہوں۔

وہ باہر گیا اور سامنے والوں کا دروازہ کھٹکھٹایا، لیکن کوئی جواب نہیں آیا۔

وہ فکر مند سا آگے بڑھ گیا۔ چلتے چلتے اس کا گزر کالونی کے پلے لینڈ سے ہوا تو اس کا دل اندر جانے کے لیے مچل اُٹھا۔ وہ اندر گیا اور اپنے پسند کا گیم کھیلنے لگا۔

اکیلا ہونے کی وجہ سے جلد ہی اسے بوریت ہونے لگی، اگر میرے دوست ہوتے تو کتنا مزہ آتا، جانے سب کہاں چلے گئے ہیں۔ شام ہونے کو تھی، اب اسے یہ سب بہت عجیب لگ رہا تھا۔

"مجھے اُسی جگہ جا کر دیکھنا چاہیے، جہاں میرا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔" اچانک اسے خیال آیا۔

◆

وہ جلدی جلدی چلتا ہوا اُسی جگہ پر پہنچا اور حیران و پریشان رہ گیا۔

وہاں وہی روبوٹ کھڑے تھے۔ وہ فوراً ایک درخت کے پیچھے چھپ گیا اور دیکھنے لگا۔

"مجھے تم لوگوں سے اس بے وقوفی کی اُمید نہیں تھی۔ اگر مجھے وہ بچہ نہ ملا تو تم لوگ بھی نہیں بچو گے۔" ایک روبوٹ جو شاید ان سب کا سردار تھا، غصے سے بولا۔

"ہمیں معاف کر دو کائٹو! ہم تو پہرہ دے رہے تھے، جانے اسے کب ہوش آیا اور ہسپتال سے نکل گیا۔"

"نکمّے ہو تم سب!" وہ دھاڑا۔

"کائٹو! تم انسانوں کو کیوں پکڑ رہے ہو آخر، کیا ہو گا اس سے؟" ایک روبوٹ نے ہمت کر کے سوال کیا۔

"کیوں کہ انسان بہت ذہین ہوتے ہیں، میں ان کی دماغی صلاحیتوں کو اپنے دماغ میں (inject) داخل کر کے ذہانت کا بادشاہ بن جاؤں گا اور ساری دنیا پر راج کروں گا اور پھر انسان بھی میرے غلام ہوں گے۔" کائٹو نے

بقیہ صفحہ نمبر 38 پر

اس کہانی کا بہترین عنوان رکھنے پر 300 سو روپے انعام دیا جائے گا۔ صفحہ 41 بھی دیکھیں

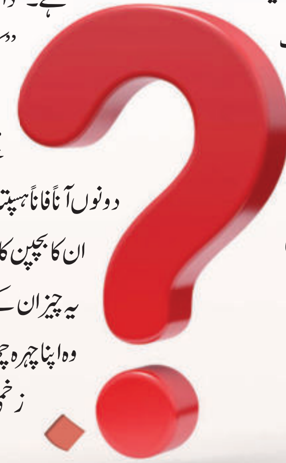

# بلا عنوان

خرّم فاروق ضیا

"سر! ایمرجنسی وارڈ میں ابھی ایک زخمی لایا گیا ہے۔ اس کی حالت بہت نازک ہے۔ دو گولیاں ٹانگوں میں لگی ہیں اور ایک گولی کندھے پر۔۔۔ کافی خون بہہ گیا ہے، پلیز جلدی چلیے!"

ڈاکٹر عادل ڈیوٹی ختم کر کے گاڑی میں بیٹھ ہی رہے تھے کہ ہسپتال کے چوکیدار نے انھیں یہ اطلاع سنائی! ڈاکٹر عادل یہ سن کر فوراً تیز قدموں سے وارڈ کی طرف چل دیے۔ وہ ایک ماہر سرجن تھے، ملک کے مشہور ترین ڈاکٹروں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ہر امیر و غریب مریض انہی سے علاج کروانا چاہتا تھا، کیوں کہ ان کی فیس سب سے کم اور علاج تسلی بخش ہوتا تھا۔

"پولیس کو رپورٹ دے دی گئی ہے؟" ڈاکٹر صاحب نے اندر داخل ہوتے ہی اپنے معاون ڈاکٹر قیصر سے پوچھا۔

"جی یہ پولیس کی طرف سے ہی داخل کیا گیا ہے۔"

"اوہ اچھا!" یہ کہتے ہی ڈاکٹر صاحب زخمی کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کے عملے نے ابتدائی طبّی کارروائی شروع کر دی تھی۔ زخمی کا خون بھی رک گیا تھا اور اسے آپریشن تھیٹر پر لٹا بھی دیا گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ مہارت سے چلنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے تینوں گولیاں جسم سے باہر تھیں، مگر زخمی کی حالت کافی نازک تھی۔ خون بھی کافی بہہ گیا تھا اور سر پر بھی گہری چوٹ آئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے کام مکمل کر کے خون کی بوتل لگا دی۔ اب انھیں پورا یقین تھا کہ جلد ہی زخمی شخص خون کی کمی پوری ہونے کی وجہ سے صحت یابی کی طرف لوٹ آئے گا۔

"سر! بہادر آباد کی پولیس فورس نے ابھی کچھ دیر قبل شمالی علاقے میں واقع جنگل میں دہشت گردوں کے خلاف کارروائی کی ہے۔" انھیں وہاں سرفراز ڈاکو کی موجودگی کی اطلاعات موصول ہوئی تھیں۔ اس آپریشن میں کچھ ڈاکو مارے گئے اور کچھ بھاگ گئے، وہیں کسی کھائی میں یہ شخص ایک اہلکار کو زخمی حالت میں ملا تھا۔ انسپکٹر عفان نے اسے فوراً طبّی امداد کے لیے آپ کی طرف بھیج دیا۔ ڈاکٹر قیصر ڈاکٹر عادل کو تفصیل بتا رہے تھے۔

"ہوں۔۔۔!" انھوں نے لمبا ہنکارا بھرا۔۔۔ انسپکٹر عفان ان کے بچپن کے دوست تھے اور اتفاق سے کچھ عرصہ قبل ہی ان کی پوسٹنگ ڈاکٹر صاحب کے علاقے میں ہوئی تھی۔

"انسپکٹر عفان کو فون ملاؤ!" وہ بولے۔

"السلام علیکم! ڈاکٹر عادل بات کر رہا ہوں۔ عفان تم فوراً میرے پاس پہنچو! مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔" یہ کہہ کر ڈاکٹر صاحب نے فون بند کر دیا اور گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔

گھر پہنچتے ہی وہ تیزی سے اندرونی کمرے کے طرف بڑھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ پرانی تصاویر والا البم نکال چکے تھے۔ ایک تصویر کو وہ کافی دیر غور سے دیکھتے رہے، پھر انھوں نے اپنے آپ کو کہتے سنا: "ہونہ ہو، یہ شیر محمد ہی ہے۔" اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی اور ملازم نے انسپکٹر عفان کی آمد کی اطلاع دی۔ "ٹھیک ہے انھیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ!" یہ کہہ کر وہ پھر البم کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"عفان! کیا تم اس شخص کو جانتے ہو؟" انسپکٹر عفان نے دیکھا، ڈاکٹر عادل ہاتھ میں تصاویر کا البم لیے داخل ہو رہے تھے اور ایک تصویر پر انگلی رکھی ہوئی تھی۔

"کیسی باتیں کرتے ہو عادل! بھلا یہ بھی کوئی بھولنے والی چیز ہے؟ یہ تو شیر محمد ہے، ہمارا کلاس فیلو اور تمہارا بچپن کا دوست!" انسپکٹر عفان حیران ہو کر بولے۔

"تو پھر یقین کرو کہ جس شخص کو آج تمہارے اہلکار زخمی حالت میں لائے ہیں، وہ شیر محمد ہی ہے۔" ڈاکٹر عادل نے گویا دھماکا کیا۔

"کیا کہہ رہے ہو؟" انسپکٹر عفان یوں اچھلے گویا ان کی کرسی میں کھٹمل ہوں، پھر فوراً دروازے کی طرف مڑتے ہوئے بولے: "چلو فوراً میرے ساتھ، مجھے ابھی وہ زخمی دیکھنا ہے۔"

دونوں آناً فاناً ہسپتال پہنچے۔ تھوڑی ہی دیر بعد دونوں دوست اس بات پر متفق تھے کہ یہ شخص ان کا بچپن کا دوست شیر محمد جیسا ہی ہے، لیکن شیر محمد اور وہ بھی ڈاکو کے روپ میں؟؟ یہ چیز ان کے حلق سے نیچے نہیں اتر رہی تھی۔ سرفراز ڈاکو کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ اپنا چہرہ چھپاتا نہیں تھا۔ گھنی داڑھی مونچھ اور گنجا سر اس کی پہچان تھی۔ جب کہ یہ زخمی کلین شیو تھا اور سر پر ہلکے بال بھی موجود تھے۔ انسپکٹر عفان نے ارد گرد مکمل تحقیق کرائی، لوٹے جانے والے متاثرہ افراد کو زخمی کا چہرہ دکھایا گیا، مگر کسی نے اس کی شناخت نہیں کی۔ زخمی کے چہرے پر داڑھی مونچھ لگا کر بھی دیکھا گیا، مگر وہ کہیں سے سرفراز ڈاکو نہیں لگ رہا تھا۔ اب ان کے پاس زخمی کے ہوش میں آنے کے انتظار کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

مسلسل علاج اور دیکھ بھال کے نتیجے میں زخمی نے تیسرے روز ہی آنکھیں کھول دیں، لیکن ایک نئی پریشانی آن کھڑی ہوئی۔ سر پر چوٹ لگنے کی وجہ سے اس کی یادداشت چلی گئی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ اسے کچھ یاد نہیں وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ لہٰذا بات پھر وہیں آن کھڑی ہوئی کہ اس کی شناخت کیسے کرائی جائے۔۔۔! وہ ابھی پوری طرح سے صحت یاب نہیں ہوا تھا، اس لیے انسپکٹر عفان اسے پوچھ تاچھ کے لیے پولیس کسٹڈی میں بھی نہیں لے سکتے تھے۔ البتہ انھوں نے دو پولیس اہلکار تعینات کر دیے تھے۔ ہسپتال چوں کہ تھانے کے قریب ہی تھا، اس لیے وہ خود بھی وقتاً فوقتاً چکر لگاتے رہتے تھے۔

"دیکھو عادل! مجھے لگتا ہے ہمیں غلط فہمی ہوئی ہے، یہ شیر محمد نہیں ہو سکتا اور اگر ہوا بھی تو میں سنبھال لوں گا۔ تم بس یہ بتاؤ کہ یہ کب تک چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے گا؟" انسپکٹر عفان ڈاکٹر عادل کے پاس ہسپتال کے روم میں موجود تھے۔ "ہوں ں ں۔۔۔ ٹھیک ہے، جیسے تم کہو!" ڈاکٹر عادل نے لمبا سانس لیا: "میں اسے اگلے ہفتے تمہارے حوالے کر دوں گا۔"

رات کا کوئی پہر تھا، جب ڈاکٹر عادل کو اچانک فون آیا۔۔۔ انھیں ایک ارجنٹ آپریشن کرنا تھا۔ رات کا وقت ہونے کی وجہ سے ہسپتال میں کافی خاموشی تھی۔ ایمرجنسی وارڈ میں رات کا عملہ کام کر رہا تھا۔ ڈاکٹر عادل کامیاب آپریشن کرنے کے بعد باہر نکلے تو انھوں نے سوچا ایک نظر اس نامعلوم زخمی کو بھی دیکھ لوں۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے دیکھا کہ کمرے کا دروازہ لاک تھا اور دونوں اہلکار بیٹھے اونگھ رہے تھے۔ ڈاکٹر عادل نے چابی نکال کر دروازہ کھولنا چاہا تو اچانک ان کے کانوں میں ہلکی سی سرگوشی نما آواز سنائی دی: "مجھے زخمی ہونے کی وجہ سے سرفراز ڈاکو کو

والا میک اپ اتار ناپڑا، ورنہ علاج کے وقت میک اپ اتر تا تو میں شک کی زد میں آ سکتا تھا۔۔۔ لیکن تم فکر نہ کرو! اب میں اپنی اصلی شکل میں موجود ہوں اور اس شکل کو میرے ذاتی جاننے والوں کے علاوہ کسی نے نہیں دیکھا۔ اس لیے فی الحال تو میری بچت ہو گئی ہے، لیکن انسپکٹر عفان بہت چالاک انسان ہے۔ اگر اس نے باریکی سے تحقیقات شروع کر دیں تو وہ میرے لیے مشکلات کھڑی کر دے گا۔ اس لیے تم مجھے جلد از جلد یہاں سے نکالنے کی کوشش کرو! میں نہیں چاہتا کہ ان کا یہ شک یقین میں بدلے کہ میں اصل میں شیر محمد ہوں اور میں ہی سرفراز ڈاکو ہوں۔۔۔" اتنا کہنے کے بعد آواز آنی بند ہو گئی۔ ڈاکٹر عادل نے دروازے کی جھری دیکھی تو وہ زخمی دوسری طرف کی بات سن رہا تھا، پھر وہ گویا ہوا: "ڈاکٹر عادل کو کچھ مت کہنا وہ میرے بچپن کا دوست ہے۔ البتہ انسپکٹر عفان کا کانٹا نکالنا، اب ضروری ہو گیا ہے، لیکن تم پہلے مجھے یہاں سے نکالو، پھر کچھ پلان کریں گے۔" ابھی وہ اتنا ہی سن پائے تھے کہ ایک اہلکار کی آنکھ کھل گئی۔ وہ ڈاکٹر صاحب کو یوں دروازے پر کھڑا دیکھ کر بوکھلا گیا: "ڈاکٹر صاحب! آپ یہاں اور اس وقت۔۔۔ خیریت تو ہے؟" ڈاکٹر صاحب نے اسے خالی خالی نظروں سے دیکھا اور کچھ جواب دیے بغیر واپس کمرے میں آ گئے۔ ان کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ کر قریب رکھے بینچ پر بیٹھ گئے۔

ان کی آنکھیں بند تھیں اور بدن پر ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔ اچانک بند آنکھوں میں ماضی کا ایک عکس دِکھائی دیا۔

"اس دنیا میں صرف دو ہی سچے دوست ہیں۔ ایک عادل اور دوسرا شیر محمد!" پھر دوسرا عکس ابھرا: "عادل! اپنی امی کے علاج کے لیے یہ پیسے میری طرف سے رکھ لو!"

اس کے بعد تو جیسے فلم چلنے لگی: "عادل یہ دوسرا پراٹھا میں تمہارے لیے لایا ہوں۔" "یہ قلم ابو نے سعودیہ سے بھیجا تھا میرے لیے، لیکن میں اسے اپنے بیسٹ فرینڈ عادل کو گفٹ کر رہا ہوں۔" "عادل میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں مرنے سے پہلے یہ وصیت لکھ جاؤں گا کہ میری آدھی جائداد میرے سب سے اچھے دوست عادل کو دے دی جائے۔" ڈاکٹر عادل اس سے زیادہ نہ سوچ سکے۔ ان کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسوؤں نے ان کا دامن تر کر دیا تھا۔ انھوں نے کانپتے ہاتھوں سے رسیور اٹھانا چاہا تو کسی کونے سے شیر محمد کی آواز پھر گونجی: "عادل! یہ کیا کر رہے ہو؟ اپنے دوست کو گرفتار کروا رہے ہو؟ اپنے بچپن کے دوست کے اتنے سارے احسانات کا یہ بدلہ دے رہے ہو؟"

ایک بار ان کا دل زور سے دھڑکا۔۔۔ پھر ان کے ہونٹ ہلے: "نہیں! تم میرے دوست نہیں ہو، وہ تو کسی کو مصیبت میں دیکھ کر خود پریشان ہو جاتا تھا۔ تم نے نہ جانے کتنی ماؤں کی گودیں اُجاڑی ہیں، کتنے بچوں کو یتیم کیا ہے، تم میرے دوست شیر محمد ہو ہی نہیں سکتے۔۔۔ وہ تو برسوں پہلے مر گیا تھا۔ تم نے اسے مار دیا! تم ایک قاتل لٹیرے ہو! اور ایک قاتل کو اس کے کیے کی سزا ملنی چاہیے۔" یہ کہہ کر انھوں نے رسیور اٹھا لیا اور انسپکٹر عفان کا نمبر ڈائل کرنے لگے۔

بقیہ

# وہ روبوٹ

سینہ پھیلا کر کہا۔

"لیکن چھوٹے بچے کا دماغ۔۔۔؟" ایک روبوٹ سوالیہ انداز میں گویا ہوا۔

"میں چاہتا ہوں کہ کسی ایسے دماغ سے ابتدا کروں جو کسی قسم کے تناؤ کا شکار نہ ہوا ہو اور ایسا دماغ صرف بچوں کا ہی ہوتا ہے۔" کائٹو نے کہا۔

"اوہ! تو یہ بات ہے۔" سب نے ایک دوسرے کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے سے کہا۔

وہیں چھپا احمد ان کی باتیں سُن کر کانپ اُٹھا۔ خوف کے مارے اس کی چیخ نکل گئی۔

چیخ کی آواز سُن کر روبوٹ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"پکڑو اسے، بھاگنے نہ پائے!" کائٹو چلایا۔

احمد نے پوری قوت سے دوڑ لگا دی۔ روبوٹ اس کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ تبھی احمد ایک پتھر سے ٹکرایا اور گر گیا، اس کا سر نیچے پڑے پتھر سے ٹکرایا۔ سر پر پہلے ہی چوٹ لگی ہوئی تھی، وہ درد سے کراہنے لگا۔

روبوٹ اس کے سر پر پہنچ گئے اور اُسے اٹھا کر مشینوں سے بنے عجیب سے محل میں لے گئے۔

محل کے اندر بھی مشینیں ہی مشینیں تھیں اور وہاں ایک ڈاکٹر نما روبوٹ مختلف کاموں میں مصروف تھا۔

"تیاری مکمل ہے ڈاکٹر؟" کائٹو نے پوچھا۔

"جی کائٹو!" ڈاکٹر بولا۔

"ہمم۔۔۔!" کائٹو نے ہنکارا بھرا، پھر شروع کرو کام۔" روبوٹ ڈاکٹر، احمد کے پاس آیا اور جب اس نے اس کے سر پر پٹّی بندھی دیکھی تو معائنہ کر کے بولا۔

"کائٹو! اس کے سر پر چوٹ لگی ہوئی ہے، ہمیں اس کے تندرست ہونے تک انتظار کرنا ہوگا۔ اگر ابھی اس کی دماغی صلاحتیں نکالی گئیں تو اس کی جان بھی جا سکتی ہے۔" روبوٹ ڈاکٹر نے کہا۔

یہ سب سُن کر احمد خوف سے کانپنے لگا۔

"بکواس بند کرو اپنی! مجھے بس اپنا کام چاہیے، اس کی جان کی مجھے کوئی پروا نہیں۔ ایک غلام اگر کم بھی ہو گیا تو کوئی مسئلہ نہیں۔" کائٹو نے کمینگی سے قہقہہ لگایا۔

"جو حکم کائٹو!" روبوٹ ڈاکٹر نے مؤدبانہ انداز میں سر خم کیا اور احمد کی طرف بڑھنے لگا۔

"نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ں! پلیززززز! چھوڑ دو، مجھے کچھ مت کرو، مجھے گھر جانا ہے۔" احمد زارو قطار روتے ہوئے بلند آواز میں چلا رہا تھا کہ اچانک کانوں میں امی کی آواز سنائی دی۔

"احمد بیٹا! اُٹھو اسکول نہیں جانا۔" احمد نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں تو خود کو اپنے کمرے میں بیڈ پر لیٹے پایا۔

امی اس کے سرہانے کھڑی تھیں، وہ تیزی سے اٹھا اور ماں کے گلے لگ گیا۔

"امی میں نے آپ کو بہت یاد کیا تھا، شکر ہے وہ سب چلے گئے۔" وہ معصومیت سے بولا۔

امی سمجھ گئیں کہ وہ کوئی بُرا خواب دیکھ رہا تھا اور اسی کے زیرِ اثر یہ سب بول رہا ہے۔

"میرا پیارا بیٹا!" انھوں نے اسے پیار سے پچکارا۔

"اب چلو، شاباش! جلدی سے اسکول کے لیے تیار ہو جاؤ، کہیں دیر نہ ہو جائے۔"

"جی امی جی!" احمد نے کہا اور پلنگ سے اترتے ہی تقریباً بھاگتے ہوئے بیت الخلا میں گھس گیا۔

امی اپنے لختِ جگر کی فرماں برداری دیکھ کر مسکرا اُٹھیں۔۔۔

# آئزک نیوٹن

ڈاکٹر الماس روحی

کسی بچے کے بچپن کو دیکھ کر یہ نہیں کہا جاسکتا بڑے ہو کر یہ کیا بنے گا؟ ایسا بھی ہوتا ہے جن بچوں سے والدین کو بڑی اُمیدیں ہوتی ہیں، وہ زندگی میں کچھ نہیں کر پاتے اور وہ بچے جن کے والدین ان سے بالکل نااُمید ہوتے ہیں، وہ بچے بڑے ہو کر بالکل بدل جاتے ہیں اور ان کا نام روشن کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان میں بڑے بھید رکھے ہیں۔ بھیدوں اور رازوں سے بھرا انسان اپنی پوشیدہ صلاحیتوں سے وقت آنے پر اپنے اِرد گرد کے لوگوں کو چونکا دیتا ہے۔

برطانوی ریاضی دان، سائنس دان اور ماہر فلکیات آئزک نیوٹن کا بچپن بھی بہت معصوم اور سادہ تھا۔ نیوٹن 4 جنوری 1643ء انگلستان کے ضلع لینکا میں پیدا ہوا۔ نیوٹن کے والد کا نام بھی آئزک نیوٹن تھا۔ وہ ایک کسان تھے۔ وہ اپنے بیٹے نیوٹن کی پیدائش سے قبل وفات پا گئے تھے۔ آئزک نیوٹن جب ساڑھے تین سال کا ہوا تو اس کی ماں نے دوسری شادی کر لی۔

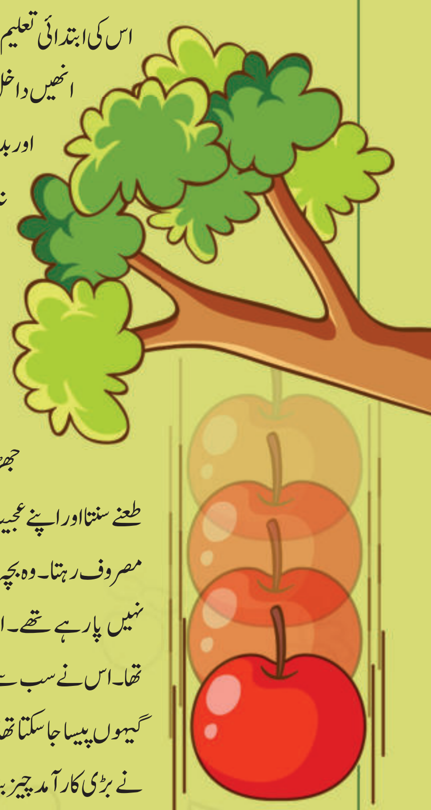

اس کی ابتدائی تعلیم و تربیت ننھیال میں ہوئی۔ جب اسکول میں انھیں داخل کروایا تو اپنے ہم جماعت بچوں میں وہ کم زور اور بدھو طالب علم سمجھا گیا، کیوں کہ وہ سبق پر توجہ نہ دیتا تھا۔ اس کے اساتذہ اس سے بہت تنگ تھے، وہ ان کی نظر میں سست، کاہل، کوڑھ مغز اور ناکارہ تھا۔ اس کے سرپرست پریشان رہتے، یہ کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کا ہو گا کیا؟ یہ سوال ان کو بے چین رکھتا۔ یہ بچہ سب کی جھڑکیاں برداشت کرتا اور تحمل سے سب کے طعنے سنتا اور اپنے عجیب و غریب کاموں میں لگا رہتا اور وہ صبح و شام مصروف رہتا۔ وہ بچہ الگ سا تھا اور سوچتا بہت تھا۔ لوگ اسے سمجھ نہیں پا رہے تھے۔ اس بچے کو مکینیکل چیزیں بنانے کا بہت شوق تھا۔ اس نے سب سے پہلے ایک چھوٹی سی پون چکی بنائی، جس میں گیہوں پیسا جاسکتا تھا۔ دیکھنے والوں کو بہت حیرت ہوئی۔ یہ تو اس نے بڑی کارآمد چیز بنائی تھی۔ کچھ مہینے بعد اس نے ایک آبی گھنٹہ بنایا جو گرتے ہوئے پانی کی قوت سے چلتا تھا۔ اب اس کے اِرد گرد کے لوگوں کو یقین ہو گیا، وہ کچھ نہ کچھ ضرور کر سکتا ہے۔ آئزک نیوٹن نے ایک دن دھوپ گھڑی بنائی۔ یہ بڑی انوکھی گھڑی ہے، جو دھوپ کے نکلنے اور ڈھلنے تک چلتی تھی۔ یہ گھڑی آج بھی اس کے مکان میں بطورِ یادگار محفوظ ہے۔ نیوٹن جب بارہ سال کا ہوا تو اس کی ماں اسے اپنے ساتھ لے گئی۔ ماں اس کے بارے میں بہت فکر مند تھی۔ وہ اسے کسان بنانا چاہتی تھی، وہ اسے روز اس کے والد مرحوم کے پیشے کو اپنانے پر زور دیتی، لیکن اس کی دل چسپی نہیں تھی، وہ تو کچھ الگ سے کرنا چاہتا تھا۔ اس کے رشتے کے چچا نے اس کی والدہ کو سمجھایا یہ جو چاہتا ہے اسے کرنے دو، یہ ضرور کچھ اچھا ہی کرے گا۔

چودہ برس کی عمر میں وہ کیمرج یونیورسٹی میں داخل ہوا۔ نیوٹن نے ایک کتاب (PRINCIPA) لکھی، جو 1687 میں شائع ہوئی۔ وہ کیمرج کے حلقے سے پارلیمنٹ کے حلقے میں منتخب ہوا۔ اسے 1699 میں سرکاری ٹکسال کا ناظم منتخب کیا گیا، وہ اپنی وفات تک رائل سوسائٹی کا صدر رہا۔ 1705 میں سر کا خطاب بھی ملا۔ نیوٹن اپنے قانون تجاذب کی وجہ سے خاص طور پر مشہور ہوا۔ ایک درخت سے اس کے سر پر سیب کے گرنے اور یوں کششِ ثقل کا اصول سمجھنے کا واقعہ ہم سب کو معلوم ہے۔ اس نے 1684 میں قدرت کے سربستہ رازوں سے پردہ ہٹایا اور ہر طرح کی حرکت کے اُلجھے مسائل کو سلجھایا۔ ہر عمل کا ردِ عمل ہوتا ہے، اس نے اس نظریے کی اپنی تصنیفات میں وضاحتیں کیں۔ کششِ ثقل کے نظریے نے کائنات کی ہر چیز کی وضاحت کر دی۔ اس کا کہنا ہے کائنات کی ہر جاندار چیز زمین سے چپکی ہوئی ہے۔ سورج، ستاروں اور سیاروں میں بھی کشش ہے جو انھیں جوڑے ہوئے ہے۔ اس نے اپنے نظریات سے فارمولے بنائے۔ وہ دوربین کا بھی موجد ہے۔ اس دوربین سے کائنات کو سمجھا جاسکتا ہے۔ نیوٹن کی ایجاد اس کا رنگ دار قرص Newtons ColorDise دھات یہ لکڑی کا ایک قرص ہے، جس پر سات رنگ بنفشی، نیلا، سبز، زرد، نارنجی اور سُرخ برابر حصوں میں بھر دیے جاتے ہیں۔ نیوٹن نے یہ مختصر آلہ یہ ثابت کرنے کے لیے ایجاد کیا تھا کہ سورج کی روشنی سات رنگوں سے مل کر بنی ہے۔ مختلف رنگوں والی قرص کو ایک چرخی پر لگا دیا جاتا ہے اور پھر ایک رسّی کی مدد سے گھمایا جاتا ہے۔ اس قرص کو چرخی کی ہتھی سے پکڑ کر زور زور سے گھمایا جائے تو سات رنگ غائب ہو جاتے ہیں اور اس کا مجموعی تاثر ہماری آنکھ پر پڑتا ہے اور ہمیں یہ قرص سفید نظر آتا ہے۔ ان ایجادات کے ساتھ نیوٹن کے انوکھے نظریات تھے جو اس نے اپنی تحقیق سے ثابت کیے۔

نیوٹن کے حرکت کے قوانین NewtonslawofMotion اس کا کہنا ہے کہ اگر کوئی ذرہ ساکن ہو تو وہ اپنی حالتِ سکون پر قائم رہتا ہے، لیکن اگر وہ متحرک ہو تو ایک خطِ مستقیم میں یکساں رفتار سے چلتا ہے، اس کا کہنا تھا اس کی رفتار میں اس وقت تک کوئی فرق نہیں آتا جب تک کوئی بیرونی طاقت اپنے عمل سے اس کی حالت کو نہ بدل دے۔ اس نے ایسی حرکت کا پہلا قانون بتایا ہے۔ حرکت کا دوسرا قانون ہے "کسی جسم یا ذرّے کی حرکت کی رفتار میں تبدیلی کی شرح اس جسم یا ذرّے پر عمل کرنے والی قوت کے مناسب ہوتی ہے اور اسی سمت واقع ہوتی ہے، جس میں قوت عمل کر رہی ہو۔" تیسرا نیوٹن کا قانون ہے کہ "قوت کے ہر عمل کا ایک ردِ عمل ہوتا ہے۔ عمل اور ردِ عمل آپس میں برابر، لیکن مخالف سمت میں ہوتے ہیں۔" اپنی ایجادات، اپنی تصنیفات اور اپنے نظریات سے شہرت پانے والا آئزک نیوٹن 31 مارچ 1727 کو اس دارِ فانی سے رخصت ہوا۔ کائنات کو سمجھنے کے لیے اس نے نئی نئی راہیں دکھائیں، اسی نظریات نے سائنس جیسے علم کو جنم دیا۔ اس نے اپنے کارناموں سے سب کو متاثر کیا۔ بعد ازاں سائنس دانوں نے اس کی نظریات کی بنیاد پر چیزیں ایجاد کیں۔ بچپن میں کتابوں سے دور رہنے والا آئزک نیوٹن کتابوں کی زینت بنا۔ آج اسکولوں اور کالجوں میں پڑھائے جانے والے علمِ فزکس کی بنیاد اسی کے نظریات ہیں۔

# بچوں کے فن پارے

ابواب احمد 10 سال راول پنڈی

انس عبد اللہ ، 9سال ،لاہور

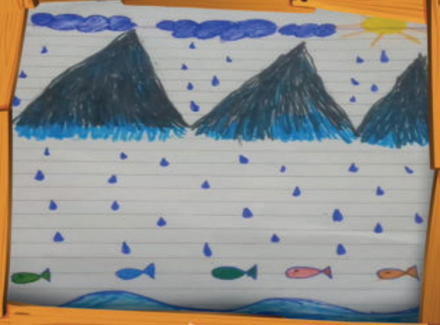

در ثانیہ 8 سال راول پنڈی

حسن بلال،10 سال کراچی

محمد بن شاید ،8سال ڈی آئی خان

محمد بن رفیق

مناہل رشید 13 سال راول پنڈی

محمد حارث 12 سال اسلام آباد

ہر ماہ ایک فن پارے پر300 روپے انعام دیا جاتا ہے گزشتہ ماہ راول پنڈی سے **ارتقا رشید**
کا فن پارہ انعامی قرار پایا ہے، انہیں 300 روپے مبارک ہوں (ادارہ)

# ماہنامہ فہم دین فروری 2025ء کے سوالات

سوال 1: طوطا اور اس کے ساتھی کس چیز کی تلاش میں نکلے تھے؟

سوال 2: تاشفین کس چیز پر کام کر رہا تھا؟

سوال 3: حذیفہ کا بچپن کا دوست کون تھا؟

سوال 4: فرقان کا جیب خرچ کب ختم ہوا؟

سوال 5: ایک کہانی میں کمہار کا ذکر تھا، کیا آپ اُس کمہار کا نام جانتے ہیں؟

# پیارے بچو!!

سردی کے موسم میں خشک میوہ جات (ڈرائی فروٹ) شوق سے کھائے جاتے ہیں، گرما گرم چائے، کافی، یخنی (سوپ) بھی خوب پیتے ہیں۔ ابلے انڈوں کا بھی خوب استعمال ہوتا ہے۔ سارے خشک میوہ جات نہ سہی مونگ پھلی تو ہر گھر میں کھانے کا اہتمام ہوتا ہے۔ لیکن ایک غلطی کئی لوگ کرتے ہیں اور بچے یہ غلطی کچھ زیادہ ہی کرتے ہیں اور وہ یہ کہ پانی پینا بہت کم کر دیتے ہیں یہ تو ٹھیک ہے کہ سردی میں پیاس کم لگتی ہے، لیکن پانی پینا صحت کے لیے بہت ضروری ہے۔

یاد رکھنا چاہیے پانی جسم کے اندرونی نظام کو بہتر بناتا ہے، جلد کو تروتازہ رکھتا ہے اور قوت مدافعت کو مضبوط کرتا ہے۔ سردیوں میں بھی روزانہ کم از کم 6 سے 8 گلاس پانی ضرور پینا چاہیے تاکہ جسم میں پانی کی کمی نہ ہو اور صحت مند رہا جا سکے۔

امید ہے کہ اب سرد موسم میں بھی آپ پانی پینا کم نہیں کریں گے ان شاءاللہ

## جنوری 2025ء کے سوالات کا درست جواب دینے پر پشاور سے سعدیہ عبدالقدیر کو شاباش انہیں 300 روپے مبارک ہوں

# جنوری 2024ء کے سوالات کے جوابات

جواب 1: ۔روبوٹ

جواب 2: نئے بستے کی

جواب 3: طوفانی بارش نے

جواب 4: خوبی

جواب 5: ایمان، تنظیم

# بلاعنوان کا عنوان

جنوری 2025ء میں کے ماہنامہ فہم دین میں مہوش اسد شیخ کی کہانی بلا عنوان شائع ہوئی تھی، اس کہانی کو عنوان دینے کی مہم میں متعدد قارئین نے حصہ لیا۔ گجرات سے ثمینہ کوکب کا عنوان بہترین قرار پایا، ان کا عنوان تھا: امتحان اپنا اپنا

# سنیے!!!!

یہ سوالات جنوری 2025ء شمارے سے لیے گئے ہیں۔ جوابات کی آخری تاریخ 15 فروری 2025ء ہے

# تم شہ رگ ہو پاکستان کی، تم بن ادھورا یہ

حافظہ سویرا چودھری

سنا کرتے تھے اُس وادی کا ہر ذرہ سنہرا ہے
جہاں بچے، بڑے اور نوجواں بھی کُھل کے ہنستے تھے
جہاں گل رنگ موسم تھے، چناروں کی بھی سرخی تھی
جہاں ہر روز ہی سورج نئی امید لاتا تھا
جہاں امن و سکوں کی ہی چلا کرتی ہوائیں تھیں
پر اُس بستی میں اب درد و الم کا راج ٹھہرا ہے

سنا ہے اب وہاں پر بھوک اور وحشت کا پہرا ہے
جہاں الفت کی راہیں تھیں، محبت کے ہی رستے تھے
جہاں کے بہتے جھرنوں اور دریاؤں میں شوخی تھی
جہاں چندا بھی استقلال کے قصے سناتا تھا
جہاں خوشیاں مجسم تھیں، جہاں دلکش فضائیں تھیں
سنا کرتے تھے جس وادی کا ہر ذرہ سنہرا ہے

◆◆◆

سنا کرتے تھے اُس وادی کا ہر ذرہ سنہرا ہے
وہاں چیخوں کی آوازیں، مہک بارود کی آتی
وہاں کے پیڑ پودوں پر دکھوں کی دھوپ پڑتی ہے
وہاں کے کوچے کوچے میں خزاں کی حکمرانی ہے
وہاں پر حرمتِ نسواں کو بھی خطرہ ہی رہتا ہے
بھلا بتلاؤ تو ہم کو یہ آخر کیسا چہرہ ہے؟

سنا ہے اب وہاں پر بھوک اور وحشت کا پہرا ہے
وہاں بندوق کی گولی سے دہشت پھیل سی جاتی
وہاں کے پھول گم صم ہیں، کلی کھلنے سے ڈرتی ہے
وہاں ہر آنکھ میں دِکھتی غموں کی ہی کہانی ہے
وہاں پر دل دہلتے ہیں، لہو ہر روز بہتا ہے
سنا کرتے تھے اُس وادی کا ہر ذرہ سنہرا ہے

◆◆◆

سنا کرتے تھے اُس وادی کا ہر ذرہ سنہرا ہے
سنو کشمیریو! تم پر مصائب جتنے آئے ہیں
کہ تم شہ رگ ہو پاکستان کی، تم بن ادھورا یہ
وہ دن بھی جلد آئے گا کہ تم کو شاد دیکھیں گے
دعا گو ہیں کہ تم سے دور ہوں اب ظلم کے سائے
سویرا دل کا اِس کشمیر سے رشتہ بھی گہرا ہے
خدایا پھر سے اِس بستی کا ہر ذرہ سنہرا ہو

سنا ہے اب وہاں پر بھوک اور وحشت کا پہرا ہے
وہ سارے ہم نے اپنی روح کے اندر ہی پائے ہیں
ملے گی تم کو آزادی تو ہو جائے گا پورا یہ
حسیں لمحوں میں خوشیوں کے ہی پھر آباد دیکھیں گے
رہے گلشن سلامت یہ، خوشی پھر لوٹ کر آئے
سنا کرتے تھے اِس وادی کا ہر ذرہ سنہرا ہے
خدایا اب نہ اِس پر بھوک اور وحشت کا پہرا ہو

# پرندے

خرم فاروق ضیا

صبح ہوتے ہی چمن میں چہچہاتے ہیں پرندے
دانہ چگتے، غل مچاتے روز آتے ہیں پرندے

گیت گاتی بلبلیں اور رنگ برنگی فاختائیں
اپنی ہر دلکش ادا سے دل لبھاتے ہیں پرندے

طے شدہ اوقات پر کرتے ہیں اپنے کام سارے
وقت کی پابندی انساں کو سکھاتے ہیں پرندے

فکرِ دنیا بھی نہیں ہے، اور نہ مال وزر کا لالچ
کھل کے اپنی زندگی کا لطف اٹھاتے ہیں پرندے

کچھ بھی ہو جائے اخوت کی فضا رہتی ہے قائم
قافلوں کی صورتوں میں آتے جاتے ہیں پرندے

دشمنی کرنا سکھایا ہی نہیں ان کو کسی نے
دوستی اور امن کے نغمے سناتے ہیں پرندے

ہمت اور محنت کا ملتا ہے سبق ان سے بشر کو
دیکھیے کتنی لگن سے گھر بناتے ہیں پرندے

اچھے بچوں کی طرح یہ بھی نہیں لڑتے کسی سے
تنگ نہیں کرتے، نہ ہی ہرگز ستاتے ہیں پرندے

# درسِ سورہ حجرات

ارسلان اللہ خان

سنو غور سے بات یہ مومنو
خدا اور نبی سے نہ آگے بڑھو

نبی ﷺ کی جو تنقیص کرلے کوئی
تو ہو جائیں اعمال غارت سبھی

جو فاسق اگر کوئی لائے خبر
تو کرلینا تحقیق تم وقت پر

لڑائی کریں گر مُسلمان دو
کرو تصفیہ اُن میں تُم مومنو

تمسخر کسی کا اُڑانا نہیں
نہ کرنا سُنو عیب جوئی کبھی

کرے کوئی ہرگز نہ طعنہ زنی
نہ غیبت کرے کوئی بھی آدمی

بُرا نام رکھنا ہے عادت بُری
بچو اس سے ہر گام تُم لازمی

بنالو تُم اس بات کو حرزِ جاں
نہ ہونا کسی سے بھی تُم بد گُماں

خدا کے یہاں ہے معزز وہی
جو ہے ارسلاں نیک اور متقی

# گلدستہ

ترتیب و پیشکش: شیخ ابو بکر، عبدالرحمن چترالی

## حمدِ باری تعالیٰ

میرا خدا میرے ساتھ ہے

ہے ہمیشہ میری خدا پر نظر — رات ہو دن ہو شام ہو کہ سحر
نہ اُجالے میں ہے کسی کا ڈر — نہ اندھیرے میں کوئی خوف و خطر
کیونکہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

ٹوٹ کر آسمان سے تارے — شب کو گرتے ہیں جیسے انگارے
وہم کرتے ہیں لوگ بے چارے — میں نہ گھبراؤں خوف کے مارے
کیونکہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

میرے رستے میں ہو اگر میداں — یا پرانا کوئی کھنڈر سنساں
کوئی مرگھٹ ہو یا ہو قبرستاں — نہ خطا ہوں وہاں میرے اوساں
کیونکہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

ہو بیابان میں گزر میرا — یا سمندر پہ ہو سفر میرا
دور رہ جائے مجھ سے گھر میرا — رہے پھر بھی قوی جگر میرا
کیونکہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

شاعر: اسمٰعیل میرٹھیؔ

## خود شناسی طویل عمل ہے

خود کو جاننا ایک لمحے کی بات نہیں ہے۔ یہ ایک سفر کا نام ہے۔ تاہم! یہ ممکن ہے کہ ایک نشست میں اس سفر کا آغاز ہو اور اس کا انجام پانچ سال بعد آئے، لیکن پہلا قدم اٹھانا اور چلنا پہلا کام ہے۔ یہ اہم نہیں کہ مجھے کہیں جانا ہے، بلکہ اہم تر یہ ہے کہ مجھے جانا کہاں ہے؟ یہ اہم نہیں ہے کہ مجھے منزل کا انتخاب کرنا ہے، بلکہ اہم تر یہ ہے کہ میرے لیے "کون سی" منزل مناسب ہے؟

ان سوالوں کے جواب دو بنیادوں پر تلاش کیے جاتے ہیں۔ اوّل: ہمارا دماغ کیا کہتا ہے۔ دوم: ہمارا دل کیا کہتا ہے۔

پاکستانی قوم یہ سنتی ہے کہ دل کیا کہتا ہے، لیکن دماغ کیا کہتا ہے؟ شاید یہ کبھی نہیں سنا۔ دل سے جنون لینا چاہیے، ہم دل کی سنتے ہیں اور دماغ سے جنون چاہتے ہیں، حالاں کہ دماغ کے پاس جنون نہیں ہوتا۔ اگر ان دونوں کا متوازن استعمال کیا جائے اور پھر کسی ماہرِ مشاور سے مشورہ کر لیا جائے تو آپ زندگی کے بہت سے مسائل سے خود کو بچانے کے قابل ہو سکتے ہیں۔ آپ اپنے اندر کے خزانوں کو دریافت کر کے اپنی دنیا کے میلنیر بن سکتے ہیں۔

(سوچ کا ہمالیہ، قاسم علی شاہ، ص:32)

## نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

اُمی لقب ہیں ہمارے محمد ﷺ
بڑی شان والے ہیں پیارے محمد ﷺ
انھوں نے محبت سے جینا سکھایا
صداقت کا رستہ بھی ہم کو دِکھایا
جہالت کے جتنے نشاں تھے مٹائے
نئی زندگی کے قرینے سکھائے
انھوں نے ہی قرآن کا تحفہ دیا
کبھی تم نہ بھٹکو گے وعدہ لیا ہے
امانت میں ہرگز خیانت نہ کرنا
یہ فرمان ہے، تم نہ باطل سے ڈرنا
کتابوں، فرشتوں پر ایمان رکھنا
کہ تم آخرت پر بھی ایقان رکھنا
خدا کی عبادت سے پیچھے نہ ہٹنا
کبھی تم اے لوگو! نہ فرقوں میں بٹنا
سدا نیکی کرنے کا اقرار کرنا
غریبوں، یتیموں سے تم پیار کرنا
یہ باتیں ہیں پیارے نبی ﷺ کی اے بچو!
انھیں غور سے تم پڑھو اور سمجھو
حبیبِ خدا ﷺ کا ادب کرتے رہنا
ہمیشہ خدا سے بھی تم ڈرتے رہنا
وہی بچے دنیا میں آگے بڑھیں گے
نبی ﷺ کے جو نقشِ قدم پر چلیں گے

شاعر: قمر تبسّم

## شبِ برأت اور خیر القرون

امتِ مسلمہ کے جو خیر القرون ہیں، یعنی صحابہ کرامؓ کا دور، تابعین کا دور، تبع تابعین کا دور اس میں بھی اس رات کی فضیلت سے فائدہ اٹھانے کا اہتمام کیا جاتا رہا ہے۔ لوگ اس رات کے اندر عبادت کا خصوصی اہتمام کرتے رہے ہیں۔ لہٰذا اس کو بدعت کہنا یا بے بنیاد اور بے اصل کہنا درست نہیں۔ صحیح بات یہی ہے کہ یہ فضیلت والی رات ہے، اس رات میں جاگنا، اس میں عبادت کرنا باعث اجر و ثواب ہے اور اس کی خصوصی اہمیت ہے۔

حوالہ: اصلاحی خطبات، مفتی محمد تقی عثمانی، ج:4، ص:258

## وضعِ اسلامی کی پابندی

قائدِ اعظم کی تعلیم و تربیت چوں کہ انگریزی ماحول میں ہوئی تھی، اس لیے وہ انگریزی لباس پہننے کے عادی تھے۔ تبلیغی وفد نے انھیں وضع اسلامی اختیار کرنے کی ترغیب دی اور جب ان پر تشبّہ فی الاسلام کی اہمیت اور تشبّہ فی الکفار کی مضرت واضح ہو گئی تو انھوں نے ہر وقت انگریزی لباس میں ملبوس رہنے کی عادت ترک کر دی اور اکثر و بیشتر اسلامی لباس میں منظرِ عام پر نظر آنے لگے، جس کے بعد جناح کیپ، شیروانی اور شلوار قومی لباس کی حیثیت اختیار کر گئی۔

(پاکستان کی قدر کریں، مجموعہ افادات، ص:226)

## کوئی خاص عبادت مقرّر نہیں

البتہ یہ بات درست ہے کہ اس رات میں عبادت کا کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں کہ فلاں طریقہ سے عبادت کی جائے، جیسے بعض لوگوں نے اپنی طرف سے ایک طریقہ گھڑ کر یہ کہہ دیا کہ شبِ برات میں اس خاص طریقے سے نماز پڑھی جاتی ہے، مثلاً پہلی رکعت میں فلاں سورت اتنی مرتبہ پڑھی جائے۔ دوسری رکعت میں فلاں سورت اتنی مرتبہ پڑھی جائے وغیرہ وغیرہ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ یہ بالکل بے بنیاد بات ہے، بلکہ نفلی عبادات جس قدر ہو سکے، وہ اس رات میں انجام دی جائے، نفلی نماز پڑھیں، قرآن کریم کی تلاوت کریں، ذکر کریں، تسبیح پڑھیں، دعائیں کریں یہ ساری عبادتیں اس رات میں کی جاسکتی ہیں، لیکن کوئی خاص طریقہ ثابت نہیں۔

(اصلاحی خطبات، مفتی محمد تقی عثمانی، ج:4، ص:258)

## جزیرہ، جزیرہ نما اور مجمع الجزائر

خشکی کے چھوٹے قطعات جو چاروں طرف پانی سے گھرے ہوتے ہیں "جزیرے" کہلاتے ہیں۔ اگر تین طرف پانی اور ایک طرف خشکی ہو تو اسے "جزیرہ نما" کہتے ہیں۔ سرزمینِ عرب دنیا کا سب سے بڑا جزیرہ نما ہے۔ اس کے بعد جزیرہ نما اناطولیہ (سابقہ ایشیائے کوچک موجودہ ترکی ترک باشندے اسے "اناضول" کہتے ہیں) آتا ہے۔ کسی ایک جگہ بہت سے جزیروں کے اجتماع کو مجمع الجزائر کہا جاتا ہے، جیسے جزائر انڈیمان کالا پانی) مالدیپ وغیرہ انڈونیشیا دنیا کا سب سے بڑا مجمع الجزائر ہے جو تقریباً ساڑھے ۱۷ ہزار چھوٹے بڑے جزائر پر مشتمل ہے۔

(کتاب الجغرافیہ، مفتی ابولبابہ شاہ منصور، ص:44)

## سخاوت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بڑی سخی تھیں اور ان کی بہن اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہا بھی سخاوت میں بڑا مرتبہ رکھتی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے (جو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے بیٹے تھے) کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کوئی عورت سخی نہیں دیکھی، لیکن دونوں کی سخاوت میں ایک فرق تھا اور وہ یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھوڑا تھوڑا جمع کرتی رہتی تھیں، یہاں تک کہ جب خاصی مقدار میں جمع ہو تا تو (ضرورت مندوں میں) تقسیم فرمادیتی تھیں اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا یہ حال تھا کہ وہ کل کے لیے کچھ رکھتی ہی نہ تھیں۔

(نیک بیبیاں، مولانا عاشق الٰہی، ص:34)

## خباب بن ارت رضی اللہ عنہ پر ہونے والے مظالم

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک اور صحابی خباب بن ارت رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ پیشہ کے اعتبار سے لوہار تھے۔ مکہ مکرمہ میں ان کی تلواریں بنانے کی دوکان تھی۔ وہ لوہا پگھلانے کے لیے بھٹی گرم کرتے۔ انھوں نے جب اسلام قبول کیا تو ان کی مالکہ اُمِّ انمار ان پر شدید ظلم و تشدّد کرتی۔ یہ بدبخت عورت لوہا پگھلانے والی بھٹی سے لوہا گرم کر کے ان کے سر پر لگاتی تھی۔ ان کا پورا جسم ظلم و ستم کے باعث داغ دار اور زخمی ہو چکا تھا۔ مکہ میں جو بھی اسلام قبول کر لیتا، اس کا ناطقہ بند کر دیا جاتا۔ اسے دھمکیاں دی جاتیں۔ اس کا کاروبار تباہ کر دیا جاتا۔ اس سے میل جول اور گفتگو بند کر دی جاتی اور جیسے ہی موقع ملتا اسے خوب سزا دی جاتی۔

(سنہری سیرت، عبدالمالک مجاہد، ص:90)

## والدین کے شکر گزار رہیے

محسن کی شکر گزاری اور احسان مندی شرافت کا اوّلین تقاضا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ہمارے وجود کا محسوس سبب والدین ہیں، پھر والدین ہی کی پرورش اور نگرانی میں ہم پلتے بڑھتے اور شعور کو پہنچتے ہیں اور وہ جس غیر معمولی قربانی، بے مثل جانفشانی اور انتہائی شفقت سے ہماری سرپرستی فرماتے ہیں، اس کا تقاضا ہے کہ ہمارا سینہ ان کی عقیدت مندی و احسان مندی اور عظمت و محبت سے سرشار ہو اور ہمارے دل کا ریشہ ریشہ ان کا شکر گزار ہو۔ یہی وجہ ہے کہ خدا نے اپنی شکر گزاری کے ساتھ ساتھ ان کی شکر گزاری کی تاکید فرمائی ہے۔ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ (ہم نے وصیت کی) کہ میرا شکر ادا کرو اور اپنے ماں باپ کے شکر گزار رہو۔

(والدین سے سلوک، آدابِ زندگی، مولانا یوسف اصلاحی، ص:117)

# رمضان کی تیاری بیت السلام کے ساتھ

تحریر: خالد معین

بیت السلام ویلفئیر ٹرسٹ میں آج کل رمضان کی تیاری کا خوب اہتمام ہو رہا ہے، اہل خیر کو توجہ دلائی جا رہی ہے، ملک بھر میں بیت السلام کے ذیلی دفاتر بنیادی تعلیمی مراکز ضرورت مندوں میں رکھی فہرستوں کو تازہ کر رہے ہیں، ایسے سفید پوش گھرانے جو کمر توڑ مہنگائی کے ہاتھوں پریشان ہیں، ایسے گھرانے جن کا کوئی کفیل نہیں، ایسے گھرانے جو شہر سے دور پس ماندہ بستیوں میں ہیں، ہر سال رمضان میں بیت السلام ایسے ہزاروں گھرانوں کو رمضان میں راشن فراہم کرتا ہے بہت سے گھرانوں کو مالی امداد بھی دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ہر سال لاکھ سوا لاکھ افراد کے لیے سحری افطاری کا انتظام ہوتا ہے۔ ملک بھر میں ہزاروں گھرانوں کو سحری افطاری کے لیے مالی تعاون بھی کیا جاتا ہے۔ نہ صرف رمضان بلکہ عید کی خوشیوں کا سامان فراہم کرنے میں بھی بیت السلام یتیموں بیواؤں اور بے کس ضرورت مند گھرانوں کی کفالت کے انتظامات کرتا ہے۔ بیت السلام کے کئی شعبے اِن دنوں انہی مصروفیات کی انجام دہی میں مشغول ہیں۔

رمضان سے پہلے رمضان کی تیاری تو ہر شخص کسی نہ کسی درجے اور طریقے میں کرتا ہی ہے، یقیناً اہل خیر کے لیے بہت بہترین موقع ہے۔ جہاں اپنے اور اپنے اہل خانہ کے لیے انتظامات کرتے ہیں اپنے ساتھ ان ضرورت مندوں کا بھی خیال رکھیں۔ سحری افطاری، راشن فراہمی، عید کی خوشیوں میں بھی ان ضرورت مندوں کو شریک کریں۔ اللہ تعالی تمام کی مالی بدنی اور قولی ہر قسم کی عبادات قبول فرمائیں اور اپنی خاص جناب سے اجر عظیم عطا فرمائیں۔

بیت السلام موبائل ایپ
Available on the App Store
GET IT ON Google Play
قبلہ ڈائرکشن
ان فلائٹ نماز ٹائمنگ
آن لائن ڈونیشن
زکوۃ کیلکولیٹر
لائیو اور ریکارڈ بیانات
روزمرہ کی دعائیں
قرآن کریم
نماز ٹائمنگ
BAITUSSALAM

J.
FRAGRANCES
چلتا رہے یہ کارواں
JUNAID JAMSHED
1964 - FOREVER
JUNAID JAMSHED
1964 - FOREVER
LEGACY
LEGACY
www.junaidjamshed.com
J.Fragrances.Cosmetics
j.fragrances.cosmetics
J_Frag_Cos
J.JunaidJamshed